

لہجہ حملہ

با اهمیات

حلقہ بگوشاں مرشد کامل قطب زبانی عارف حفانی قیومِ زمین
حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب فرشی و نقشبندی مجددی دہلوی

ملنے کا پتہ

بری مسجد، فریش نگر (قصاب پورہ) صدر بازار، دہلی (ہندوستان)

تحلیات قریشی

حصہ اول

مرشدِ کامل قطب ربانی عارف حقانی پیغمبرِ زمان حضرت مولانا
محمد فضل علی صاحب قریشی عباسی، ہاشمی، نقشبندی، مجددی
زینت افزائے داد و خیل مزارِ مقدس قصبه سکین پور شریف، ضلع مظفرگڑھ
کی

زندگی اور ان کے مبلغانہ کارناموں کی مستند تشریح و توضیح

مرتبہ و مؤلفہ
محمد عبدالماک صدیقی، نقشبندی، مجددی عفی عنہ

با هتمام

حضرت الحاج حاج قطب عبدالرشید صاحب قریشی نقشبندی مجددی
بڑی مسجد، قریش نگر (قصاب پورہ)، صدر بازار، مدھلی



شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جس کے لیے تمام تعریفیں ہیں اور جو تمام تعریفوں سے زیادہ بزرگ و برتر اور مہربان ہے۔ یہ توفیق بھی عین مشیت حق ہے کہ میں چند باتیں آپ کے گوش گذار کر رہا ہوں، اور اسے بھی رب عظیم کا بے پناہ کرم ہی کہا جائے گا کہ آپ میں کر دہن سے نکلے ہوئے الفاظ کو انتہائی توجہ کے ساتھ ذہن نشین کر رہے ہیں۔ یہ چند سطحیں، چند باتیں، چند مشاہدات محسوس اس نیلے ہیں کہ منزل کی تلاش میں بھٹکتے ہوئے لوگوں کے قدم بھہر جائیں اور پھر وہ اپنی طلب کا صحیح مرخ متعین کر سکیں۔ اس تجربہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اپنے تجربات و مشاہدات بیان کر کے پڑھنے والوں کو خواہ ملواہ متاثر کیا جائے۔ اسی طرح اس عبارت سے یہ مطلب بھی اخذ نہ کیا جائے کہ راقم اسرار معرفت کی نمائش کر رہا ہے۔ سلوک کی راہ میں بڑی دشوار اور معاملات انتہائی نازک ہیں۔ پہاں ذاتی غرض سے اٹھا رہا نمائش جرم ہے، دلوں کا حال خدا بہتر جاتا ہے۔ میں تو خلوص نیت کے ساتھ معرفت کی تصوریں کا ہلکا سا عکس پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ ماڈی علوم کے پیدا کردہ شکوہ و شبہات دور ہو سکیں۔

جدید تعلیم کی پیغمبری گیوں نے نوع انسانی کے بڑے طبقے کو گمراہ کر دیا ہے۔ مشینوں کے اس دور میں جہاں ہر شے کو آنکھوں کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے، جیات آدم بڑے کرب میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اخلاق کا پیرا ہن مسل کانٹوں پر کھینچنے جانے سے تازدار ہو چکا ہے، جس کے نتیجے میں اولاد آدم کے جسم پر برائے نام بھی لباس نہیں۔ پچھلے لوگ و مجمیوں سے اپنے بدن چھپائے ہیں۔ ما دیت کی ہوا اس قدر تیز ہے کہ لباس کے باقی ماندہ گنڈوں کو بھی اڑائے لیے جا رہی ہے۔ گویا تہذیب آدم مکمل طور پر غریاب ہوا چاہتی ہے، جہاں صورت حال اتنی نازک ہو وہاں اسرار معرفت کو بیان کرنے کا ایک ہی مقصد ہے کہ گناہوں

کی کثرت نے بے قرار دل کچھ دیر کے لیے سکون و عاقیت کے حلقات میں پھر جائیں اور پھر اپنی دھرم کنوں کو احکام الہی سے ہم آہنگ کر سکیں۔

آخر میں قارئین کرام پر یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جہاں اس تصنیف کا مقصد علوم معرفت کے چند گوئشوں پر روشنی ڈالنا ہے وہاں تصوف کے منکروں کے دعووں کی تردید بھی مقصود ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے خام ذہنوں پر یہ راز بھی آشکار ہو جائے کہ مراقبہ اور کشف محض تصوف کی اصطلاحیں نہیں، بلکہ ناقابل تردید حقیقتیں ہیں، جو قسمی سے انسانی دل و دماغ کے غبار میں گم ہو گئی ہیں۔

دستِ ہر نا اہل بیمارت کند
سوئے مادر آکہ تیمارت کند

وَأَخْرِدْخُوَّا نَا أَنَّ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ه

صلی اللہ علی عنہ



ولادت مبارکہ: داؤ دخیل، عمر مبارک ۸۴ سال، سنہ ولادت - ۱۲۷۰ھ۔
وفات مبارکہ: شب اول ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۳ھ، مطابق ۲۶ نومبر ۱۹۳۵ء۔ مزار مقدس قصبه بیکن پور شریف، ضلع منظفر گڑھ، پنجاب۔
حالات: اچانک آپ کا ارادہ مبارک ہجرت کرنے کا ہوا۔ اپنی اراضی کو چند بھائی مل کر مستاجری کے طریقے پر دیا، اور اس روپے کو لے کر ایک بڑی کشتی خریدی۔ اس میں اپنے پال پیکوں اور خاندان کو لے کر سوار ہو گئے۔ ارادہ تھا کہ ہم اس میں سکھ پیغام گے، اور وہاں سے کشتی فروخت کر کے کراچی اور وہاں سے جس طریقے سے بنے گا جائز مبارک عربستان پہنچیں گے۔

اس سے قبل حضرت شیخ نے اس وقت سے جبکہ دل میں خیال آیا کہ میں ایک طوطایعی (پرندہ) پالوں اور اس کو اچھی اچھی باتیں پڑھاؤں۔ الودیت کی طرف سے اتفاق ہوا۔ طوطے کو پڑھانے میں اتنا فائدہ نہیں ہو سکا جتنا کہ مخلوق خداوند کریم کو پڑھانے سے۔ قلب جو کہ اللہ کی طرف سے طوطا ہے، اس کو کیوں نہ ذکرِ خدائی کی طرف لگاؤ۔ آپ نے سفر اختیار کیا قصبه دندراہ شاہ بلاول کا، جہاں حضرت سیدنا العلی شاہ صاحب دندوی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے۔ ان کی خدمت میں جا کر بیعت حاصل کی،

معولات مٹا تھے استعمال کرتے رہے۔ اس بیعت کا فائدہ یہ ہوا کہ قلب کے اندر محبوب کبر یا کی مجبت نے جوش مارا۔ اسی جوش و مجبت میں مذکورہ سفر اختیار کیا۔

کشتی جبکہ وطن سے چلی تو راستے میں راشن نے جواب دے دیا ضرورت راشن نے ضلع منظفر گڑھ کے اندر آئے پر مجبور کیا۔ ضلع منظفر گڑھ کی حدود میں کشتی کو کنکے لگا کر من خاندان اور بچوں کے اتر سمجھے۔ رات کو کشتی چور لے کر سکھ پہنچے۔ کچھ بھائی اپنی مستورات اور بچوں کی حفاظت کے لیے وہیں رہے اور کچھ کشتی کی تلاش میں چلے سکھ میں کشتی تو نہ ملی، کشتی کے چور ملے۔ بڑی مشکل سے کچھ رقم ملی۔ اب جو ذریعہ تھا عربستان جانے کا وہ ختم ہو گیا۔ سرکنڈے کے جنگل میں نمبردار عورتوں کو سب کے درمیان بٹھا کر پھرہ رکھا اور روزگار میں کاشتکاری کے طریقے کو ہاتھ میں لیا، اور اس کماں سے خاندان کے لیے غذا تجویز کی۔ اس حال میں معلوم ہوا کہ سرکار لعینی حکومت جنگل دیتی ہے اس شرط پر کہ جب آباد ہو جائے گا آدھا تمہارا ہو گا اور آدھا ہمارا۔ بھائیوں نے مل کر مشورہ کیا کہ کیوں نہ آراضی حاصل کی جائے، مزدوری کرنے پر ہمیشہ پریشانی رہے گی بہتر یہ ہے کہ کچھ جنگل ہم بھی لے لیں اور اس کو آباد کریں۔ چنانچہ مشورہ کر کے جنگل لیا اور آباد کرنا شروع کر دیا۔ جب آباد ہوا تو حکومت سے بالکانہ طور پر وہ ان کو مل گیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مسجد تیار کی اور کچھ جھونپڑے، دیواریں کھڑی کر کے اس پر چھپرے ڈال کر آبادی شروع کی، اور اپنے مرشد قبلہ کی جانب میں اس مقام سے آمد و رفت درس تربیت کی تکمیل کے لیے رکھی اور اس مقام فیقر پور شریف تجویز کیا۔ یہ مقام جتوں ایک قبیہ ہے، اس سے تین میل درجنگل میں واقع ہے۔ جنر ملی کہ حضرت نعل شاہ صاحب دندوی رحمۃ اللہ علیہ وصال فرمائے۔ حضرت شیخ کو انتہائی صدمہ پیش آیا اور موضع دندوہ شاہ بلاول پہنچے۔ وہاں محمد شاہ صاحب بوجحضرت شیخ کے مرشد کے خاندان سے تھے۔ انہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ ڈیرہ اسماعیل خاں موسیٰ زنی شریف میں پہنچیے اور حضرت اعلیٰ سے بیت شافی کر لیں۔ چنانچہ حضرت شیخ

۱۔ حضرت شیخ سے مراد حضرت قریشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور یہ حالات حضرت قبلہ محمد عبد الماک۔ صاحب صدیقی مدظلہ العالی کی زبانی سن کر تحریر میں لائے جا رہے ہیں۔

۲۔ حضرت شیخ سے مراد حضرت قبلہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ان کے مثمرے سے موسیٰ زین شریف حاضر ہوتے اور خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ثانی حاصل کی۔

آپؐ کا خط (تحریر) مبارک چھاپے کی مثل تھا حضرت شیخ خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ڈاک اور دینیات کی کتب کا لکھنا آپ کے ذمہ لگایا۔ آپ کے دو خطاب تھے، قومیت کی وجہ سے قریشی عباسی اور عمل (کتابت)، کی وجہ سے منشی صاحب کہلاتے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ حضرت شیخ بیدناد مولانا قطب الارشاد محمد فضل علی صاحب قریشی عباسی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب مبارک میں شوق پیدا ہوا، اور دعا کی کہ یا اللہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ مجھے دہلی بلوائیں اور میں دہلی پہنچوں۔ اتنے میں خواجہ سراج الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب روانہ کیا کہ آپ دہلی آجائیں۔ حضرت شیخ دہلی چتلی قبر پہنچے جہاں کے شاہ ابوالنجیر رحمۃ اللہ علیہ محافظ تھے۔ مزارات حضرت خواجہ مرزامظہر جان جانان رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ کے، حضرت خواجہ سراج الدین "کاوہاں قیام تھا۔ حضرت خواجہ سراج الدین" نے آپ کو اس مقام پر خلافت عطا فرمائی۔

سفر کے اختتام پر حضرت شیخ اپنے مقام فقیر پور شریف پہنچ گئے اور سلسلہ بیعت شروع کیا۔ مخلوق خدا بکثرت بیعت میں داخل ہونے لگی۔ جذب انتہا درجہ کا آپ کی توجیہات میں پیدا ہوا، جس کی وجہ سے ماحول عوام الناس کا خائف ہو گیا کہ آپ میں تذکرے شروع ہوئے۔ بدھنی کے طور پر کہ شیع جو کھٹکاتے ہیں وہ جادو ہے۔ علماء حضرات بکثرت حضرت شیخ کے حلقو میں آگئے۔ دن بہ دن ترقی کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ بدھنی کرتے تھے، یہ جادو کا اثر ہے وہ خود بھی بیعت میں آگئے اور تمام ماحول ذکر حق میں منور ہو گیا، اور یہ حقیقت سختی کہ اس وقت میں خاندان چشتیہ، خاندان قادریہ اور کسی قدر خاندان سہروردیہ کا چرچا تھا لیکن خاندان نقشبندیہ کا چرچا تھا نہ عمل تھا۔ اس یاعث لوگوں میں مذکورہ بدھنیاں واقع ہوئی تھیں کہ نہ ستار ہے نہ قوالی ہے اور پھر جذب ہوتا ہے۔

حضرت شیخ کا عمل کاشتکاری تھا۔ ہل چلاتے تھے، ہل چلاتے وقت مخلوق خدا زیارت اور بیعت کو آتی۔ اس حالت میں حضرت شیخ بگاہ اٹھاتے، آنے والے

لہ آپ سے مراد حضرت شیخ فضل علی قریشی ہیں۔

تڑپ جاتے۔ جذب کی کیفیت زبردست تھی۔ جذب کے قبل جو بیعت نہ ہوتے وہ فوراً بیعت ہو جاتے تھے۔

ان دونوں ضلع مظفرگڑھ میں چار قسم کے پیر موجود تھے، جنہوں نے مل کر مشورہ کیا کہ اس نے ہمارے مرید چھین لیے، ان کا عمل بڑھتا جا رہا ہے کچھ کیا جائے، چنانچہ کسی نے جادو کیا اور کسی نے کچھ حرب۔ اللہ کریم نے ان کے عمل اور نیت کا تمروہی دیا جن کی انہوں نے نیت کی تھی۔ چار میں سے تین مبتلا ہوئے اور چوتھا حضرت شیخ کے پاس آیا، ان کا حال سنایا اور معافی مانگی۔ حضرت نے اس کو معاف فرمادیا۔

(جذب) کا یہ اثر سفا کا آپ کی زمین ایک یا اس چھوڑ کر نیچے ریلی تھی۔ اس قسم کی زمین کا اوپری حصہ سیاہ نما اور سخت ہوتا ہے۔ ہل چلانے پر بڑے بڑے ڈلنے نکلتے تھے۔ ان ڈلوں کے اوپر اللہ کی مخلوق کو جذب پیدا ہوتا تو وہ باریک مٹی بن جاتے۔ حضرت شیخ ہنس کر فرماتے، مجھے بوڑھے کو ریڑے اور ہموار کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی، اللہ نے اپنے فضل سے اشرف المخلوقات سے اس کو باریک کرادیا۔ اس کے تاثرات پنجاب، سندھ اور ہندوستان تک پہنچے۔ پہ انداز علماء اور صلحاء حضرت شیخ کی بیعت میں آئے۔

حضرت شیخ کا علمی پایہ اور حصول علم کے سلسلے میں مجھے سے ایک عام مجمع کے اندر بارہاں کا اظہار فرمایا کہ میں نے حضرت مولانا قمر الدین صاحب سے درسی کتب پڑھے اور دورہ حدیث مبارک مولانا احمد علی صاحب سہارن پوری سے حاصل کیا۔

چنانچہ ایک مرتبہ دیوبند جانے کا اتفاق ہوا، وہاں کچھ پنجابی طلباء نے حضرت شیخ کے یاں کو دیکھ کر بدھی کے سخت درسہ کی مسجد میں عصر یا ظہر کی نماز کے بعد عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ نصائح فرمائیں۔ قرائیں سے معلوم ہوا کہ ان کی بدھی تھی حضرت کے علم پر حضرت شیخ مسجد کے کمرے سے نکل کر برآمدے میں آچکے تھے۔ تقریر شروع کر دی تصفیہ قلب اور تذکیرہ نفس کی ضرورت پر، جن کے ثبوت قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبویہ شریف سے دیئے۔ اتنا پر اثر و عظیم سفا کا ان بدھوں کو کوئی چارہ نہ بنا اپنی بدھی قائم کرنے کا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ اکثر طلباء و صلحاء طریقہ بیعت میں شامل ہوئے اور

لہ مجھ سے مراد حضرت قبلہ محمد عبد الملک صاحب صدیقی مظلہ العالی مقصود ہے۔

اللہ کی مخلوق فیض کے حصول میں حاضر ہوئی۔

دوسرے روز حضرت شیخ نے فرمایا دو پھر کا قیلولہ مدرسہ کی مسجد میں کروں گا۔ چنانچہ تشریف لائے اور فوراً یہ طلباء تکیہ وغیرہ اٹھا کر لائے تو حضرت یہ طلباء کے ساتھ پڑھنے لگئے۔

ظہر کے وقت قاری محمد طیب صاحب نے نماز پڑھائی۔ سر پر کپڑے کی ٹوپی کھٹکی، بعد فراغت نماز ظہر حضرت قبلہ نے قاری محمد طیب صاحب سے کہا کہ دارالعلوم میں ہوتے ہوئے افضل سنت کا ترک۔ فوراً ہمی قاری صاحب نے اشارہ کیا، صافحہ لا یا گیا۔ اس کو مسجد کے مصلئے پر رکھ دیا گیا۔ ہر نماز کے وقت جو کوئی امامت کو آتا ٹوپی پر صافحہ یا ندھنا۔

ہمی روز حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدینی نماز ظہر کی فراغت پر مدرسہ کی مسجد میں ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ مولانا کو آتے ہوئے میں نے دیکھ لیا۔ حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ مولانا تشریف لارہے ہیں (طلبا رجھ) ساتھ تھے، حضرت کھڑے ہو گئے۔ معاففہ ہوا مصافحہ ہوا رزندگی میں یہ پہلی ملاقات تھی، حضرت شیخ کی اور حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدینی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی۔ بعد سیٹھنے کے حضرت شیخ الاسلام نے ان الفاظ میں اپنا مقصود پیش کیا کہ "حضرت اگر میں آپ کی نظر مبارک میں غلامانِ غلام کی جیشیت سے جھاؤ دیا جاؤں تو پھر میری ایک عرض ہے ہمگر شرط یہ ہے کہ آپ منظوری پہلے دے دیں"۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ آپ ظاہر تو فرمائیں منظوری قبل از اظہار کیسے مناسب ہوگی۔ حضرت مولانا نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس نے ایک پرچھ بھیجا ہے کہ حضرت آج دہلی تشریف لے جانا چاہتے ہیں۔ لیکن عرض یہ ہے کہ تین دن دارالعلوم کی فیاضنی کے لیے عطا فرمائیں اور جب تک آپ اس عرض کو منظور نہیں فرمائیں گے میں بیٹھا رہوں گا۔ یہ میرا درس حدیث کا وقت ہے جو حضرت شیخ نے مسکرا کر جواب دیا۔ حضرت کیا یہ بوجھ بھی بجھ پر رہے گا۔ بہت اچھا ٹھہر دیا گا۔

چونکہ میرا قیام مولانا شبیر احمد غوثانی صاحب کے سہائی کے مکان میں تھا، اسی

لئے یہ کا اشارہ محمد عبدالمالک صاحب صدیقی عفی عنہ کی ذات گرامی ہے۔

لئے کیونکہ میں (محمد عبدالمالک عفی عنہ) نے ایک عریضہ حضرت مولانا کی خدمت میں دستی رو انہی کا تھا اور حضرت شیخ آج ہی دہلی جانا چاہتے ہیں۔

میں حضرت شیخ کا قیام برابر تین دن رہا حضرت کی کیفیت بڑی تیزی کے ساتھ طلباء پر
واثق ہوئی جس پر علماء نے سن کر اور دیکھ کر مزیداعتقادات میں اضافہ کیا اور حضرت شیخ
کی تعریف اس زور سے دیوبند میں گوئی کہ مولانا قاسم ثانی آج دیوبند آچکے ہیں۔ الحمد للہ
بہترین تاثرات فائم ہوئے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی مسجد میں حلقة ذکر اللہ قادر ہوا۔ جذبات خوب
امنڈ کر طلباء پر واقع ہوئے علماء میں سے کسی نے اعتراض نہیں کیا، بلکہ مزیداعتقادات
میں اضافہ کا عمل بنا۔

اسی قیام کے اثناء میں ایک دن قبرستان میں مولانا محمد قاسم صاحب و مفتی
عزیز الرحمن صاحب اور شیخ الہندؒ کے مزارات کے قریب مع جماعت مراقب ہوئے مراقبہ
میں خلاف عادت کافی تاخیر ہوئی اور فراغت کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کیا
میں کچھ احوال عرض کروں۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ جماعت علماء کی ہے، بینا جماعت ہے۔ یہاں کوئی خطہ
نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے آج مراقبہ (غنوڈگی) میں ایک واقعہ دیکھا۔ ایک نہایت
سرسری میدان ہے جس میں محدثین دیوبند، دہلی اور گنگوہ موجود ہیں جس کی تفصیل بھی
حضرت شیخ نے فرمائی۔ غالباً حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز
صاحب دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب، مفتی عزیز الرحمن صاحب اور شیخ الہند
مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری وغیرہ موجود تھے۔
یہ سب حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے لیے جمع تھے۔ چنانچہ حضور
اکرم تشریف لائے۔ ان سب حضرات نے مصافحہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصافحہ لیا
مجھے بھی مصافحہ کا شرف حاصل ہوا۔ بعد مصافحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور اظہار
خوشنودی فرمایا کہ یہ لوگ میری سنت کے زندہ کرنے والے "محی السنۃ" ہیں۔ میں نے
عرض کیا حضرت کچھ لوگ ان پر بذینیاں کرتے ہیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ چمگاڈڑہ مفت
کا کچھ علاج نہیں۔ یہ حالات ذریعہ دیگر علماء شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچے شیخ الاسلام

۱۰۔ مجھے حضرت قبلہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۱۔ میں نے (محمد عبد الماک صدیقی عفی عنہ)
۱۲۔ حضرت دحتر قریشی رحمۃ اللہ علیہ۔

انتہائی خوشی کے عالم میں مسرور ہوئے اور فرمایا کہ ہمیں شیخ وقت کی زبان مبارک سے دنیا کے عالم میں خبر مل گئی کہ ہمارے اکابر مقبول بارگاہ رسالت ہیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ حضرت مولانا فاری محمد طیب صاحب نے ایک ٹیم کی دعوت پیش کی جو حضرت شیخ نے منظور کر لی اور فراغت دعوت کے بعد قاری محمد طیب صاحب اتنے خوش تھے کہ والپسی کے بعد حضرت کا جوتا سیدھا کیا جس کو حضرت شیخ نے پہنا۔

میں نے اپنی علمی حیثیت حضرت شیخ سے مخفی رکھی ہوئی تھی۔ اس کا علمار کو علم تھا اس درجہ سے حضرت شیخ الاسلام بڑے تر ڈپے کہ ایسا کھی میرے پاس نہیں کہ حضرت شیخ کی دعوت کروں۔ جو کھی قاری محمد طیب صاحب کو حاصل تھا وہ حضرت شیخ الاسلام کو حاصل نہ ہو سکا۔ حاصل اس لیے نہ ہو سکا کہ قاری صاحب کو کھی حضرت انور شاہ صاحب سے ملا تھا۔ درمیان شاہ صاحب کے سامنے اور حضرت شیخ الاسلام سے کچھ تکریبی تھی۔ افسوس کرتے ہوئے دعوت نہ کر سکے۔ مولانا معظم علی صاحب جو سفیر دیوبند تھے ان کو وہ کھی حاصل ہو گیا۔ انہوں نے حضرت شیخ کی دعوت کی۔

قیام دیوبند میں ایک دن حضرت شیخ عبد المکاہ کے راستے آبادی دیوبند میں آنے لگے، تو فرمایا میراجی چاہتا ہے کہ مولانا کا درس سنوں، کیا وقت ہو گا اور مولانا تکلف تو نہیں فرمائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ مولانا کی پشت پر بھاں کہ وہ درس دیتے ہیں ایک دروازہ ہے، ہم چپکے سے دباؤ جا کر بیٹھ جائیں گے۔ تو حضرت شیخ بڑے خوش ہوئے، عجیب قسم کی حکمت اور قدرت دائر ہوئی۔ باوجود یہ کچھ پشت پر دروازہ ہونے کے جوں ہی حضرت شیخ نے دارالحدیث کے دروازے پر قدم رکھا فوراً حضرت شیخ الاسلام درس کی تقریر کرتے ہوئے دروازے پر پہنچے۔ بعد معاونہ اور مصافحہ کے تشریف فرمائے۔ دو قرائین سے معلوم ہوتا ہے کہ شائد کسی طالب علم نے حضرت شیخؒ کی آمد کا اشارہ کیا ہو گا، حضرت شیخ الاسلامؒ نے عرض کیا کہ حضرت ہمکلامی کی ضرورت ہو تو درس بند کر دوں اور اگر اجازت ہو تو درس جاری رکھوں۔ حضرت شیخ نے فرمایا میں سننے ہی کے لیے آیا ہوں۔ چنانچہ درس شروع ہونے کا پہلا وہ لفظ تھا جو چلا تھا۔ ”میں ابھی بتلائے دیتا ہوں کہ امام نووی نے خفیت پر کتنے مظاہم قائم کیے ہیں؟“ معاً مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الاسلامؒ تشریف لائے اور عرض کیا کہ حضرت جنازہ آیا ہے۔ درس بند ہو گیا اور سب شرکت جنازہ کی غرض سے کھڑے ہو گئے۔ حضرت شیخؒ نے دیکھا حضرت شیخ الاسلامؒ بیچھے ہٹ گئے۔

ہیں اور آگے چلنا نہیں۔ میر حضرت شیخؒ نے ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے دانہ نہ رکھا اور ساتھ ساتھ ہاتھ پکڑے چلے۔ قاریٰ محمد طیب صاحب نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ بعد نماز جنازہ وہی نقشہ تھا، ساتھ ساتھ چلے ہاتھ پکڑے ہوئے۔ جب واپس درس کے مقام پر آئے طلباء نے گھر ڈیاں تکالیں تباکہ علم ہو کہ وقت درس ختم ہو چکا ہے۔

اسی وقت مولانا معظم علی صاحب (سفیر دیوبند) آئے، ان کے ہاں دعوت تھی۔ دعوت میں حضرت شیخؒ، حضرت شیخ الاسلام صاحبؒ اور قاریٰ محمد طیب صاحب مدعا تھے، وہی نقشہ عمل برہا۔ شیخ الاسلام کا ہاتھ حضرت کے ہاتھ میں رہا۔ اسکے چلے، جب معظم علی صاحب کا دروازہ آیا حضرت شیخ الاسلامؒ نے حضرت کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ حضرت نے پوچھایا کیا؟ حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ دروازہ تنگ ہے اکٹھے دو نہیں جاسکتے اور میں آپ سے آگے نہیں جا سکتا۔ حضرت شیخ مسکرائے اور آگے چلے۔ جب کمرہ میں داخل ہوئے تو تین قالین بچھے ہوئے تھے۔ اس میں ایک دلیٰ اور دو دلایتی حضرت شیخ چونکہ پہلے داخل ہوئے تھے، ایک قالین پر آپ پہنچ گئے۔ اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام داخل ہوئے اور دلیٰ قالین پر کھڑے ہو گئے۔ تیسرا قالین باقی تھا کہ حضرت قاریٰ محمد طیب صاحب داخل ہوئے حضرت شیخ الاسلامؒ نے خوش طبعی کے لہجے میں کہا، تو تو صاجزادہ ہے آگے چل۔ چنانچہ کھانا آیا۔ اتنا طعام اس قسم کی ہمکلامی و خوش طبعی یا معنی حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے رہے، گویا کہ حضرت شیخؒ سے برسوں کی ملاقات ہے۔ حالانکہ یہ پہلی ملاقات تھی۔ کھانا ختم ہوا اور اپسی اسی نقشہ کے ساتھ عمل میں آئی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کا ہاتھ حضرت شیخؒ کے ہاتھ میں پھر بعد اپنے اپنے مقام پر مقامِ دعوت سے نکل کر علیحدہ ہوئے۔ دیوبند کے سفر سے ماقبل ایک عجیب تھا وہ یہ کہ حضرت شیخ ضلع بجور مقام کھاری پر تشریف فرمائے ہوئے تھے، چنانچہ اس دعوت کا ذریعہ میں ہی تھا۔ تمام راستوں کو جھنڈیوں سے سجا یا گیا تھا۔ حضرت شیخؒ نے جو ہی جھنڈیوں کو دیکھا خصا کو کھڑا کیا اور جھنڈیوں کو نظر نا شروع کر دیا کہ فضول اصراف کیوں کیا گیا۔ جماعت نے دیکھا تو خود ہی توڑنا شروع کر دیا۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا اتنا اصراف کیوں کیا گیا، قیامت میں کیا جواب ددگے۔ ایک رات جب کھاری میں گذر چکی تو میں نے عرض کیا کہ حضرت دلیٰ میں دیوبند چلنا ہے۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا پہلے تو تو منع کرتا تھا اب خود چلنے کو کہتا ہے۔ میں نے عرض کیا میں اس کا مخالف نہیں تھا، سوچا پہلے آپ کے حنات سے علاماً کو واقف کروں پھر آپ کو

لے کر جاؤں، حضرت کے آنسو سکھ آئے۔ میسے رہیں حنات کہاں ہیں میں تو پر عصیاں ہوں۔ میں نے عرض کیا جہڑت تین اوصاف اللہ کریم نے آپ کو ایسے عطا فرمائے ہیں کوئی شخص ان کو بھول نہیں سکتا۔ (۱) چودھویں صدی جس میں اسلام قریش پیران رسیٰ تصوف اور اسلام کی بیخ کتنی کرتے ہوئے چلتے ہیں اس زمانے کے اندر پیری مریدی کے ساتھ آپ متبع سنت ہیں، بدعت کا داخل آپ کے اعمال میں نہیں۔ (۲) اخلاق و اخلاص۔ (۳) ایثار حضرت شیخ حنفی آنسو بہاتے ہوئے فرمایا۔ اگر یہ چیزیں تم دیکھتے ہو تو استقامت کے لیے دعا کیا کرو۔

حضرت کے اندر ایثار و قسم پر واقع ہے مہماں کے لیے روح کی خدا اور جسم کی غذا۔ جسمی غذا کا برتاؤ یہ ہے کہ مہماں بے وقت آتا تو اپنے کھانے کو باہر کر دیتے اور خود صبر سے گذار لیتے۔

روحی غذا کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں جرام پیشہ لوگ آپ کی توجہات سے آج متبع سنت بن چکے ہیں۔

چنا پنچہ دیوبند کی دعوت کی منتظری کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں ایک خط لکھوں آپ کے دیوبند تشریف لے جانے کا۔ اُف! اتنی بے ادبی کہ علماء میری آمد کا انتظار کریں، ہرگز نہیں۔ میں اس قابل نہیں۔ چنا پنچہ میں نے کوئی عرضی نہیں لکھا، اور یوں ہی سوار ہو گئے۔ جب کہ دیوبند پنچھے میں ایک یادداشتیشن پاٹی تھے میں نے عرض کیا جفرتا کپڑے بدل لیجیے۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ تو مجھے تصنیع سکھا تا ہے۔ میں ڈر گیا اور چپ ہو گیا۔ مگر آپ جب دیوبند اسٹیشن پر پنچھے بحثت طلباء کا ہجوم ہو گیا۔ دیکھنے کے بعد حضرت نے فرمایا۔ کیا تو نے خط لکھا تھا۔ میں نے خط نہیں لکھا۔ عرض کیا جہڑت آپ کس طرح چھپ سکتے ہیں۔ جب نماز عشاء کا وقت ہوا تو حضرت نے فرمایا۔ کپڑوں کی گھری اٹھالا یا میں سمجھ گیا۔ کہا۔ حضرت اب اس کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت نے فرمایا۔ تیرا کہنا بھی مان لوں۔ دلیسی کپڑوں کا لباس زیب تر فرمایا۔ حضرت شیخ کے عمل میں تصنیع کا شاید نام کو بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ ہر عمل اللہ عزوجل کے لیے کیا کرتے تھے۔

الغرض دیوبند میں جو تین دن قیام رہا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں عقد کی بڑی تیزی سے لہر دوڑی، اور اس عمل پر اعتماد کی گنجائش کا نام موقع تھا نہ مل سکا۔ ہر کہ نظر میں اتباع مبارک کا لفظ قلوب میں واسع تھا۔

ایک دن حضرت شیخ نے شیخ الاسلام سید حسین احمد صاحب مدفن سے فرمایا۔ یہ پردوہ کیسا کرتا ہے جس پر حضرت شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ ان کے عمل اور اس پردوے نے ہمیں آپ کی زیارت کا شوق دیا، جو اللہ کریم نے ہمیں نصیب کر دی جحضرت شیخ بہت خوش ہوئے جحضرت شیخ کی یہ فراست شاید اس وقت پر بھی اثر ڈالتی ہو جبکہ مسکین پور شریف میں مشورہ کیا گیا تھا کہ دیوبند کسی مبلغ یا اپنے غلام کو درس و تربیت کے لیے روانہ کرنا چاہیے مگر وہ اس تعریف کا ہوا انتہا علم کا اس کو حاصل ہو۔ چونکہ میں پہلے سے دلی کے لیے منتخب ہو گیا تھا جحضرت شیخ سمجھ گئے اور فرمایا کہ دیوبند یہی جائے گا۔ درس کے تاثرات حضرت شیخ نے دیوبند میں جو دیکھے حضرت شیخ بہت خوش ہوئے۔

دیوبند سے رخصیت ہونے پر دہلی تشریف لے آئے اور آتے ہی فرمایا مدرسہ امینیہ چلیں ہفتی اعظم مولانا کفايت اللہ صاحب سے ملاقات کرائیں جب مدرسہ امینیہ پہنچ ہفتی صاحب کو علم ہوا کہ حضرت شیخ امینیہ تشریف لائے ہیں ہفتی صاحب پریشان اور پشیمان نظر آتے تھے۔ پریشانی کی وجہ دریافت کرنے پر ہفتی صاحب نے عرض کیا کہ میں خود ملاقات کے لیے حاضر ہوتا۔ حضرت شیخ نے فرمایا مدعا پورا ہوا۔ امینیہ سے والپی کے کچھ دیر بعد ہفتی اعظم صاحب ملاقات کے لیے تشریف لائے جحضرت شیخ کا قیام اس وقت مسجد سبیل محلہ گڑوالا میل کے اندر مولانا عبد الغفور مدفن صاحب کے مکان پر تھا مکان میں داخل ہوتے ہی مولانا عبد الغفور صاحب مدفن کو دیکھا کہ ہاتھ میں طشری، آم اور چاقو لئے جا رہے ہیں ہفتی اعظم نے مولانا سے کہا کہ مجھے خدمت کا موقع دیں مولانا نے وہ چیزیں ہفتی صاحب کو دے دیں ہفتی صاحب آم لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جحضرت شیخ کھڑے ہو گئے معاشرہ و مصالحہ فرمایا اور بیٹھ گئے ہفتی صاحب آم تراشتے رہے اور حضرت شیخ کھاتے رہے۔ اس اثناء میں حضرت شیخ نے ہفتی اعظم صاحب سے فرمایا کہ حضرت ایک مسئلہ ہے ہفتی صاحب نے فرمایا کیا مسئلہ ہے جحضرت شیخ نے نے فرمایا ہفتی صاحب حدیث مبارک میں آیا ہے کہ جن آدمیوں کی زبان موتی ہو جن پر کلمات نماز نہ چڑھتے ہوں، ان کو جاہیے کہ سبحان اللہ کہتے ہوئے نماز پڑھیں۔ لیکن ہفتی صاحب میں نے ایسی زبانیں بھی پائی ہیں جو سبحان اللہ بھی نہیں پڑھ سکتیں، ان کے

یہ کی حکم ہے، مفتی صاحب نے سکوت فرمایا مفتی صاحب کو چُپ دیکھ کر حضرت شیخؓ نے فرمایا مفتی صاحب ایسے لوگوں کو میں کہتا ہوں کہ اللہ اللہ کہتے ہوئے نماز پڑھیں۔ مفتی اعظمؓ نے فرمایا تھیک ہے حضرت شیخؓ نے فرمایا آپ مفتی اعظم ہیں میں تصدیق چاہتا تھا وہ ہو گئی۔

ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا مسجد سبیلِ دہلی جس میں مولانا عبد الغفور صاحب مدفنِ امام تھے، جس میں علماء و صلحاء کا مجتمع تھا، حضرت شیخؓ نے ایک کوتے سے دیکھنا شروع کیا، آخر کونے تک دیکھتے گئے میں نے سمجھا حضرت کچھ ارشاد فرمائیں گے فرمایا ہمارے ہاں عورتوں کو خون آتا ہے وہ بھی خاص مقام سے، لیکن یہاں مردوں کو! اور منہ سے حضرت کی زبان میں سادگی کا یہ اثر تھا کہ کئی حضرات نے اسی وقت سے پان کی عادت چھوڑ دی۔

حضرت شیخؓ کی عادات مقدسہ میں سادگی انتہا درجہ کی تھی۔ اخلاق کا انتہا تھا۔ مگر اتباع سنت کے لیے حضرت شیخؓ پر انتہائی غلبہ تھا۔ اس باعث ایک دن گل محمد نامی اسٹیشن ماسٹر چنی گوٹ حضرت شیخؓ کے پاس چاہر ہوا، حضرت شیخؓ نے اس سے ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ گل محمد کو یہ خیال آیا کہ حضرت شیخؓ نے مجھے پہچانا نہیں۔ عرض کیا حضرت ایں تو آپ کا غلام ہوں، آپ نے پہچانا نہیں۔ بوجہ غلبہ اتباع سنت کے حضرت شیخؓ کو پر جوش الفاظ استعمال کرنے پڑے۔ آپ نے فرمایا۔ تو مجھے ملامت کرتا ہے تجھے نہ خدا پہچانے گا، نہ رسولؐ پہچانے گا۔ باعث یہ تھا کہ وہ شخص داڑھی منڈھوا یا کرتا تھا اس کے بعد وہ تائب ہوا اور داڑھی رکھی مرتبے دم تک۔ آخر وصال ہو گیا۔ بہت سی بڑی کرامتیں حضرت شیخؓ سے بڑی تعداد میں ایسی ظاہر ہوئیں کہ باغی شریعت آتے تھے اور تابع شریعت ہو کر جاتے تھے۔

ایثار حضرت شیخؓ کے اندر علاوہ فیضان الہیہ کے اس حد تک واقع تھا کہ ایک دن تسبیح خانے میں تشریف لائے اور لیٹ گئے۔ میں نے حسب دستور مٹھیاں بھرنا شروع کیا۔ (چاپی کرنا) فرمانے لگے رات کو پلاو تیار ہو گا۔ میں سمجھ گیا کہ خاص فیلم کا تعلق ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ پلاو کیسا ہو گا، حضرت شیخؓ نے فرمایا۔ ابھی میں آتا تھا کہ تیری

والدہ نے کہا کہ رات کو کیا تیار ہو گا، کوئی چیز نہیں ہے۔ میں نے کہا بھی ایسا نہیں ہو سکتا باہر اللہ کے ہمہ ان ہیں، اندر ہم ہیں۔ میں نے آپ کی والدہ کو کہا کہ جاؤ برتنوں کو دیکھو، اللہ نے رزق رکھا ہو گا۔ چنانچہ دیکھا اور رسولوں کے ۲، ۳ گھنٹے اسٹھا کر لائے کریے تو میں نے کہا یہ رزق ہے اس کو تیار کرو۔ میں جو باہر نکلا تو جماعت کو اطلاع کی کہ آج پلاو تیار ہو گا۔ جماعت خوش ہوتی۔ اسی خوشی اور انتظار میں ظہر سے عصر ہوتی اور عصر سے مغرب آتی۔ سب بے چین کہ ابھی پلاو نہیں آیا۔ بعد فراغت نماز مغرب اور نوافل اوابین حضرت اندر جا کر مٹی کے برتنوں میں کھانا لانے لگے حضرت جاتے اور لاتے، جتنا اندازہ تھا وہ آگیا۔ حکم دیا لانگری صاحب تقسیم کر دیجئے میں جا کر چراغ جلایا جس کے آگے کھانا جاتا تھا کالا کھانا سرسوں کا تھا۔ جماعت میں صاحبِ جذب بھی بہت تھے، اس کے علاوہ باہر اطراف و آنکاف کے بہت سے لوگ تھے۔ بعض نووارد اور ہمہ ان بھی تھے جو بیعت نہ تھے۔ سبھی نے نوش کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ حضرت شیخ نہ کی زبان سے پلاو کا فقط ادا ہوا تھا، قدرت اللہ سے وہ ذاتِ قدر کے اعتبار سے پلاو اور نظر کے اعتبار سے سرسوں تھا۔ تمام کو ذاتِ قدر کے اعتبار سے مساوات حاصل تھی۔ مستان خدا نے خوب کھایا اور خوب کھایا کہ خدا خواستہ کچھ ہو جائے، لیکن بفضلِ الہ کسی کو تکلیف نہ ہوتی۔ جب معمول صبح لنگر سے دودور وہی جیسا کہ لنگر میں چلتی تھی دہ شروع ہو گئی۔

ایثار کا یہ عالم تھا کہ آپ کی غذا وہ ہوتی جو جماعت کی ہوتی۔ اول جماعت کو کھلایا کرتے اور آخر بعد آپ کا نمبر ہوتا۔ اگر کوئی اس وقت باہر سے ہمہ ان آجائے تو لانگری صاحب کو حکم تھا کہ فوری اطلاع دے۔ اطلاع دینے کا طریقہ یہ تھا کہ بلند آواز سے اللہ اکبر کہئے۔ ایسی صورت میں حضرت شیخ اپنا کھانا باہر لاتے اور اپنا وہ وقت بھوکا پاس کر لیتے۔

حضرت شیخ ایک مرتبہ سفر ڈیرہ غازی خاں وغیرہ سے اپنے مقام مسکین پو شریف دا پس تشریف لائے۔ میں حاضر تھا حضرت نے علماء حضرات کو جو فیض سفر

۱۰ حضرت شیخ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ، ۱۰ محمد عبد الملک صدیقی عفی عنہ۔
۱۰ محمد عبد الملک صدیقی عفی عنہ۔

تھے، مخاطب کر کے فرمایا، یہ سفر میں نے تمہارے ساتھ اس لئے اختیار کیا تھا کہ آپ حضرات نقائص سے آگاہ کریں گے ہمگرا فسوس آپ حضرات نے مجھے آگاہ نہیں کیا۔ علماء نے عرض کیا حضرت دورانِ سفر کو قیّمی نقص بہم نے دیکھا نہیں فرمایا، کیا میں معصوم ہوں، یہ نہیں ہو سکتا مگر تم نے دیانتداری کا ثبوت نہیں دیا علماء خاموش رہے، اور معدود رت پیش کرتے رہے کہ حضرت بہم نے سفر میں کوئی نقص شرعی آپ کے کسی عمل میں نہیں دیکھا۔ دوسرے دن حضرت نے وضو فرمایا اور علماء دیکھتے تھے کہ حضرت نے گردن کے مسح کے لئے نیا پانی لے کر مسح فرمایا۔ ایک عالم نے عرض کیا حضرت ہمارے مذہب میں گردن کے مسح کے لئے نیا پانی لینا نہیں ہے۔ فوراً حضرت شیخ حسنے ان مولوی صاحب کو دعا دی اور فرمایا تشا باش تم نے میری غلطی پکڑی۔ بعد میں درسری مجلسوں میں حضرت شیخ حسنے کا تعلق تھا کہ اپنی غلطی کو فرحت سے سنو، اور اس کی تصحیح کرو۔ حضرت شیخ حسنے کی تعلیم کا تعلق تھا کہ اپنی غلطی کو فرحت سے سنو، اور اس کی تصحیح کرو۔ الحمد للہ شیخ کی تعلیم ایک عجیب طرز کی ناصح ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ ذیرہ غازی خان ذیرہ اسماعیل خان کے سفر سے واپسی ہوئی فقیر روضہ شریف جب پہنچے، اول قیام لانگری تیا تھا۔ اس نے جماعت میں تین آدمی منتخب کئے۔ اس جماعت میں ایک میں تو، ایک حاجی کریم سخش صاحب اور ایک میرا پیر بھائی تھا جس کا نام اب یاد نہیں آ رہا ہے، کہا کہ لانگر میں صرف پانچ سیر آٹا ہے اور جماعت اس وقت پانچ سو کے قریب ہے، بہتر یہ ہے کہ تم تدبیر سوچو۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر رخصت لے لیں گے تو جماعت ملکی ہو جائے گی، اور لانگر میں تکلیف بھی نہ ہوگی۔ جب یہ بات جماعت میں گھوم حکی تو ریاست بھاو پور کی جماعت زیادہ تھی۔ جماعت نے حضرت مولانا نذری احمد صاحب کو منتخب کیا کہ آپ رخصت لیں۔ حضرت رخصت فرمادیں گے تو ہم سب چلے جائیں گے۔ ابھی سفر ختم ہوا تھا کہ حضرت فرشت مقرر فرمادی۔ مولوی نذری احمد صاحب جماعت سے ذرا آگے کو

لے اور یہ عمل اس بات پر تھا کہ علماء کچھ کہتے ہیں یا نہیں کہ آپ کا یہ عمل نہیں تھا کہ نیا پانی گردن کے مسح کے لئے یہ علماء کے امتحان کے لئے ایسا کیا۔ شہ محمد محمد الماکہ عفی عنہ۔ تھے لانگری صاحب۔

سر کے، حضرت نے فرمایا کہ مرشد کیا بات ہے۔ عرض کیا جماعت رخصت چاہتی ہے۔ فرمایا مولوی صاحب رخصت نہیں ملتی اور دیکھتے ہیں کہ ہمارا خدا پانچ سیر آٹا ہے، یا اور ہے۔ یہ الفاظ ایسے تھے کہ تین دن سہ وقت پاس ہو گئے، برابر ۲۔ ۳ موٹی موٹی روٹیاں ملتی رہیں۔ اب جماعت نے مولوی صاحبان کو منتخب کیا، مجھہ اتمی اور ان پڑھ کو منتخب کیا۔ تین دن کے ختم پر میں نے عرض کیا حضرت اب ان کو حورتیں یاد آتی ہیں۔ مہنس کر فرمایا اچھا جاؤ۔ میں نے کہا ان حضرات نے دیکھ لیا کہ پانچ سیر آٹا خدا نہیں ہے۔

اب حضرت شیخ نے استظام فرمایا اور کہا تم شہر کے لوگ ہو۔ ہوشیار اور سمجھدار ہمارے پاس سے پسیے لے جاؤ اور ان لوگوں کو شہر سے انج دلوادو۔ لشگر سے ایک آدمی ہمارے ساتھ کیا۔ ساتھ سواری دی کہ شہر سے خرید کر کے اسے دینیا یہ لے آئے گا۔

ایک موقع ایسا میں نے پایا۔ میں حاضر ہوا۔ فقیر پور شریف میں حضرت شیخ نے گندم کا ذہیر لگایا ہوا تھا صاف کر کے، میں نے اس ذہیر کا اندازہ کیا کہ کیا وزن ہو گا۔ میرے اندازے میں تیرہ من یا پندرہ من ہوتا تھا۔ حضرت شیخ نے فرمایا یہ گندم انداز جانا ہے۔ اس وقت جماعت میں تقریباً ۵۰۔ ۶۰ آدمی تھے درمیان میں کسان بھی تھے چنانچہ حضرت شیخ اور سبھوں نے اشراق سے اٹھانا شروع کیا۔ اشراق سے دوپہر ہو گئی۔ بعد نماز ظہر حضرت شیخ اور سب اٹھانے لگے۔ پھر گندم اٹھاتے عصر ہو گئی۔ پھر عصر سے مغرب ہو گئی۔ مغرب کی نماز پڑھائی۔ حضرت شیخ نے نمازو نوافل اوایں شروع فرمائے۔ جماعت کے بڑے بڑے کسان مجھے اشارہ کرتے ہیں گردن پر اور پیٹھ پر باتھ رکھ کر کہ میہاں درد ہو گیا ہے۔ مجھے اشارہ کیا کہ حضرت کو کچھ عرض کر دیں نے حضرت شیخ سے عرض کیا۔ فرمایا کیا بات ہے۔ حضرت جو برکت مخلوق خدا کو تکلیف دیتے والی پاہر پیدا ہو رہی ہے کیا وہ اندر نہیں ہو سکتی۔ فرمایا اندر ہو سکتی ہے۔ سب چل پڑے ایک ہی پھرے میں گندم ختم ہو گئی۔ سال بھر مخلوق خدا کھاتی رہی ہے۔ مخلوق خدا کا اندازہ یہ تھا کہ کم و بیش تین سو چار سو ہر دن کھاتی رہی۔

لہٰ لہ سے محمد عبد الملک عضی عہد۔

حضرتؐ کی خدمات کا یہ عالم سخا کہ جاندھر میں حضرت شیخ اُس وقت میں
کھڑے ہوئے جب کھانا آیا اور تقسیم شروع ہو گئی۔ لوٹا لے کر تمام جماعت کے ہاتھ
دھلانے اور خود کھانا لاتے اور جماعت کے سامنے رکھتے رہے۔

ایک موقع پر فقیر پور شریف میں یوں بنا، دو پھر کا وقت تھا حضرت شیخ آرام
فرما رہے تھے میں یہی لیٹ گیا حضرت شیخ باہر نکل کر جماعت کے جو تے جھاڑ جھاڑ
بناتے گئے میرے کان میں اس وقت آواز پڑی جبکہ دو تین جوڑے باقی رہ گئے تھے
میں دوڑ کر بجا گا، اس وقت میری زبان سے ایسے الفاظ نکلے کہ سب جماعت
ہوشیار ہو گئی، جذب کی کیفیت سب پر طاری ہو گئی۔ ہر کوئی روتا تھا۔ آپ نے فرمایا
تم اللہ کہنے والی جماعت ہو میں نے اس لئے تمہارے جو تے صاف کئے کہ میری عاقبت
اچھی ہو، تم بخل کرتے ہو روتے ہو۔

ایسے بارہ واقعات پیش آئے سفر میں حضرت شیخ جماعت کے کمزور لوگوں کی
خاطرسواری چھوڑ کر ان کے حوالے کر دیتے۔ اثناء سفر میں جماعت کے تحکمے کے سب
آرام کرتے تو کمزور لوگوں کی خود چاپی کرتے بعض بعض وہ چلاتے تو آپ کہتے کہ زیاد
تحبیہ مکلیف ہے تو یہ کرنا میں تحبیہ چاپی کرتا ہوں اور تو مجھے چاپی کرنا۔

جلال پور پروالہ ایک قصیہ ہے ضلع ملتان کا۔ ایک مرتبہ مجھے بخار تھلا حضرت
شیخ کو علم ہوا تو حضرت شیخ نے گھوڑی چھوڑ کر خود پیدل سفر اختیار کیا۔ میں جو باہر نکلا
تو دیکھا گھوڑی کھڑی ہے، ساتھ ہی آدمی کھڑا ہے۔ اس نے کہا کہ حضرت تیرے نے
گھوڑی چھوڑ گئے ہیں۔ میں سوار نہ ہوا پیدل چل پڑا۔ حضرت شیخ رُاستے میں رک گئے
تھے۔ مجھے اس حال میں دیکھ کر فرمایا سوار ہو جا۔ میں چپ رہا۔ دوسرے شخص نے ایک
اور گھوڑی لادی۔ اس نے کہا حضرت آپ سوار ہو جائیں یہ بھی سوار ہو جائے گا۔ جب
دریا آیا تو دریا پار کرنے کے لئے کوئی اور سواری نہ تھی سوائے اونٹی کے جحضرت شیخ
نے گھوڑیاں چھوڑ کر اونٹی پر سوار ہونا پسند فرمایا اور مجھے بھی ساتھ اونٹنی پر بٹھایا کہ
پانی نقchan دے گا۔

بہر صورت ایسے اتنا را اور خیر خواہی ہمدردی مخلوق کا جذبہ آپ کے دل مبارک

میں تھا، دوسرے اور ایثار کا حال بھی اجمالی طور پر ذکر ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ جبکہ دہلی میں آپ کا سفر تھا میں نے حضرت کی خدمت میں اس وقت یہ عرض کیا جبکہ آپ نے کوچہ پنڈت قاضی حوض دہلی سے ارادہ فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی زیارت کو چلیں، میرے سر میں اس وقت شدید درد تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ تو سو جائیں ہو کر آتا ہوں۔ مولانا عبد الغفور مدینی صاحب، مولانا قمر بابا صاحب وغیرہ علماء موجود تھے۔ وہ حضرت شیخ[ؒ] کے ساتھ جانے کو تیار ہوئے۔ میں نے موقع پا کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضور چند آدمیوں کو ماڈون فرمادیں۔ فرمایا بہت اچھا والپی پر مشورہ کریں گے، ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا کہ مولانا عبد الغفور مدینی صاحب کو بھی اگرچہ سلوک تھوڑا ہے، مگر آپ کی فیاضی کے لئے اس نے ولایت بہت کی ہے۔ اس عرض سے میری آنکھوں سے پانی گرا۔ فرمایا بہت اچھا والپی آئیں گے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ حضرت شیخ[ؒ] نے جبکہ والپی فرمائی معاً علیحدگی میرے ساتھ چاہی۔ چنانچہ ایک چھوٹے کمرے میں تشریف لے گئے۔ میں حاضر تھا، اور سب کو فرمایا۔ کمرے میں تشریف لے جائیں۔ حضرت آہستگی سے فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے خرقہ مبارک عطا فرمایا ہے اور میں نے تیری سفارش کی لہ اس کے لئے بھی خرقہ عطا فرماؤ۔ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا اس کو تو میں پہلے دے چکا ہوں۔ حضرت نے فرمایا تو نے حال مجھے کیوں نہیں دیا۔ جو اب میں نے عرض کیا حضرت میں اپنے حالات کو تجھیں سمجھتے ہوئے عرض نہیں کیا۔ واقعہ تو ہو چکا اب تین آیا جو آپ کے ساتھ ہوا تو پھر یہ صحیح ہو گا۔ آئندہ کے لئے امر فرمایا کہ جو حالات اور رو دار ہو لکھ کر بھیجا کر یہ تجھیں نہیں ہوتا، ساتھ ہی فرمایا حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیرے متعلق یہ حکم دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جس کے لئے خلافت کو ماڈون کرنے والے کہے انکار نہ کرنا، کیونکہ ان کی خدمات ہمارے ہاں مقبول ہو چکی ہیں۔ میں اس حال میں باہر نکلا یہ توبڑا غنیمت موقع ہے میں نے مولانا سید امیر صاحب کو کہہ دیا تھا کہ سات اجازت نامے تیار کر لیں کیونکہ اس وقت طبع شدہ نہیں تھے، جب میں باہر نکلا کہ اُن اجازت ناموں کو اضافے کے لئے کہہ دیا

کسات سے زیادہ تیار کر لو کہ مولانا قاضی عبدالرشید صاحب عرف قمر بابا صاحب بڑے کمرے، جماعت صلحائے سے باہر آئے۔ یہ ان کی فراست تھی کہ مجھ سے کان میں کہا کہ آج فیاضی کا دن ہے سچل نہ کرنا، حالانکہ وہ میری اور حضرت شیخؒ کی تخلیہ والی گفتگو سے بالکل نادافعت تھے میں نے اپنے ارادے میں اور تو سیع کی مولانا سید امیر صاحب کو اکر کہا کہ (۱۹) اجازت نامے تیار کریں حضرت شیخؒ کے حکم پر جب اجازت نامے پیش کئے فرمایا تھیک ہے میں دستخط سب کے اوپر کئے دیتا ہوں، اس کا انٹھار اور دینے میں ذرا صبر کریں جب سلوک تکمیل کر لے، ان کو رفتہ رفتہ دیتے رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ بے قدری اور ناشکری سے ختم کر بیٹھیں اور نقصان اٹھائیں۔ چنانچہ میں نے سات علماء بلائے جس میں قمر بابا صاحب یعنی قاضی عبدالرشید صاحب، مولانا سید امیر صاحب، مولانا عبدالغفور مدفی صاحب بقیہ اور علماء کے نام اس وقت یاد نہیں آرہے ہیں جن کو حضرت شیخؒ کے سامنے پیش کئے جو حضرت شیخؒ نے جو طریقہ ماذوقیت کا تھا وہ استعمال فرمایا اور اس جماعت میں واحد مولانا عبدالغفور مدفی صاحب تھے جن کو میں نے حضرت شیخؒ سے بیعت کرایا تھا، بقا یا سب حضرات مجھ سے بیعت تھے اس لئے حضرت شیخؒ نے پہ طریق امر یہ فرمایا کہ جو کلمات میں کہوں گا ما فروخت کے وہ تم کو کہنے ہوں گے۔ مولانا عبدالغفور صاحب کو بھی تو یہ لفظ کہے گا۔ داہمی جانب حضرت شیخؒ کے تین علماء ایسے تھے جو مجھ سے بیعت تھے اور پھر تھے مولانا عبدالغفور صاحب مدفی تھے۔ جبکہ حضرت شیخؒ تمام کو ما فرون فرمائچکے پھر امر ثانی تاکیدی مجھ سے فرمایا یہی کلمات تم ان کو کہوا در خصوصی یہ بھی فرمایا کہ مولانا عبدالغفور صاحب کو یہ کلمات کہنا۔ میں نے یہ الفاظ سن لئے اور امر کی تعمیل کی تین علماء جو حضرت کی داہمی جانب تھے ان کو کہنے چو تھی جگہ دجہاں کہ مولانا عبدالغفور صاحب مدفی بیٹھے تھے، میں چپ ہو گیا شرم کی وجہ سے حضرت شیخؒ نے فرمایا ثالثاً کیا اس کا تعلق صحبت کا تجھے سے نہیں ہے، اس کی نسبت ضعیف ہو جائے گی جب تک تو یہ کلمات اجازت کے نہ کہے گا۔ چنانچہ میں نے عمل کیا حضرت نے دعا فرمائی۔ سات خلافت نامے تقیم کئے تھے کا، چنانچہ میں نے عمل کیا حضرت نے دعا فرمائی۔ سات خلافت نامے تقیم کئے تھے اور فرمایا کہ جب سلوک کی ترقی ہو رفتہ رفتہ اور علماء کو اجازت دینے رہنا حضرت شیخؒ بڑے خوش ہوئے۔

دلی سے تیاری وطن کی ہوتی تو فرمایا کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمام علماء بعد

کے میرے دطن میں آ کر پھراپنے وطن جائیں تاکہ ان کو علم ہو جائے کہ میری زندگی کیسی گذر رہی ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت اشارة اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گے۔ پھر وہ وقت آیا کہ سب حاضر ہو گئے جن میں قمر بابا صاحب، مولانا عبد الغفور مدفنی صاحب اور دیگر سب جماعت تھی۔ نہر کے اوپر حضرت شیخ تشریف فرمائے مسکین پور شریف میں مجھے علیحدہ کر کے فرمایا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ علامہ عزیز ید ترقیات کے مقام کو حاصل کریں اور یہ سفر باعث با ظفر ہو جائے۔ میں نے عرض کیا، کیا کرنا ہے؟ حضرت نے فرمایا تین میل کے فاصلے پر پھر ٹیاں کھجور کی کمی ہوئی ہیں لنگر کی، ان کو اٹھوا کے لایں باہر آیا۔ مولوی صاحبان آپ کا سفر مقبول ہوا اور کہا میرے ساتھ چلے آؤ۔ جب علامہ حضرت چلتے چلتے تھک گئے تو کہنے لگے کہاں نئے جا رہے ہو۔ میں نے کہا حضرت کا حکم ہے چپ چاپ چلے آؤ۔ چنانچہ اس مقام پر پہنچے جہاں لنگر کا آدمی کھڑا تھا۔ سبھوں نے پھر ٹیاں اٹھائیں اور کندھوں پر رکھنے لگے۔ میں نے کہا نہیں صاحبان، آپ لوگ اس کو اٹھائیں اپنے سر پر، کیونکہ آپ کا علاج کرنا ہے۔ جب حضرت شیخ نے اس کا شاہدہ فرمایا والپی پر مسکرا تے کہ اس نے بڑا چھاڑیقہ نکالا ہے، چنانچہ فیضان الہی کا کاجوش ہوا عجیب کیفیت طاری رہی۔ علامہ کے سینوں کو فیضان مبارک سے بھرو یا۔

ماذون شدہ حضرات کو ایک واقعہ سے حضرت شیخ نے آگاہ فرمایا۔ انتہائی ہمدردی اور خیر خواہی سے ایک شیخ نے ایک ایسے شخص کو ماذون فرمایا کہ جس کے ساتھ بڑی تعداد کی مخلوق بیعت میں آئی۔ معاوہ عیش و عشرت کا محل بناء سواری کو چھوڑ کر پاکی میں اٹھوانے کا امر شروع کر دیا۔ آمد و رفت شیخ کی خدمت میں اس طریقہ پر شروع کر دی قریب قیام گاہ شیخ کے پالکی سے اترتا تھا، اپنی عظمت اور رعب کو قائم رکھنے کے لئے۔ پیر بھائی اس کو سمجھاتے تو اور غصے میں آ کر کہتا کہ مجھے تمہارے شیخ سے کوئی واسطہ نہیں رہا بلکہ سیدنا خضر طلبہ السلام سے فیض آتا ہے۔ شیخ نے جب ان الفاظ کو ساتو جمود کے روز جو خطبہ دینے کا وقت تھا، شیخ نے فرمایا جس خفر نے اس کو نسبت دینی شروع کی وہ

لہ محمد عبد المالک صدیقی عفی عنہ۔ لہ یہ امر اس لئے واقع ہوا کہ علامہ حضرات میں باعث علم کچھ غدریاً ملی دھوئی پیدا ہو جاتا ہے (فطرت) اس لئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقہ نکالا، کیونکہ سلوک کی تکمیل مقصود تھی۔

حضر میں ہوں، اس لئے میں اپنی نسبت واپس لیتا ہوں۔ دہات کے اشارے سے فرمایا، اس کی جماعت کو اس کی طرف سے تنفس پیدا ہوا اور ان کی اس طرف سے قطعاً محبت کٹ گئی اور شیخ اعلیٰ کی طرف جاتی۔ یہ رسوا ہو کر جنگل میں پھرتے پھرتے اپنی عمر بر باد کی پھر کسی شخص نے اس کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کیا۔

لِئِنْ شَكَرْتُمُ لَأَزِيدَ نَكْفُمْ وَلِئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ^۱

مستغنى ہونا اس مثل خسارہ کا اہل بننا ہے، لہذا عجز کے ساتھ زندگی کو گذارنا صلحاء کا شیوه اعلیٰ ہے اور اپنے آپ کو شیخ کے سامنے مثل حمام اور نافی تصور کھانا مفید ہے۔ ایک مرتبہ میرے شیخ عرس کے فوراً بعد حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے مزار مبارک پر مراقب ہوئے اور خلاف معمول بہت تاخیر ہوئی۔ گریوں کا موسم تھا میں پسینہ پسینہ ہو چکا تھا۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر مجھ سے فرمایا کہ آج بجیب معاملہ تھا جب میں مراقب ہوا تو صاحب مزار کو وہاں نہیں پایا۔ قبر مبارک روشن تھی مگر خالی تھی قبر کے باہر چاروں طرف مزار کے ظلمت تھی۔ کافی دریہ کے بعد جہانیاں جہاں گشتؒ تشریف لائے، ملاقات ہوئی۔ فرمایا کہ میں یہاں نہیں تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں یعنی دن سے دربار میں گیا ہوا تھا۔ کیوں کہ یہاں عرس کے موقع پر طوال قوں کا رقص د سر داد مری قبر کو سجدے وغیرہ ہو رہے تھے۔ یہاں معصیت کا بازار اکرم تھا میں ہر سال عرس کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیام کرتا ہوں تاک اللہ کی معصیت سے محفوظ رہوں۔ میں ایکی واپس نہ آتا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میری امت کا ایک ولی منتظر ہے، اس لئے واپس آیا حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ کے قبر مبارک میں واپس آتے ہی ظلمت دور ہو گئی۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحبؒ کا گذر حضرت شیخؒ کے قریب سے ہوا حضرت کی تلاش میں وہ کھیت پر پہنچے حضرت شیخؒ اس وقت ہل چلا رہے تھے حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت شیخؒ سے دھات کی درخواست کی حضرتؒ نے ان کے قلب پر انگلی رکھ کر قلبی ذکر کی تعلیم کی۔ انگلی رکھنے کے ساتھ ہی قلب جاری ہو گیا۔ وہ اسی وقت سے عقیدت مند ہو گئے۔

جب عطاء اللہ شاہ صاحب نے قادریان جا کر وہاں تقریر کرنے کی تیاری کی تو بوجہ عقیدت حضرت شیخؒ کے پاس شہر ملتان (جهاں کہ حضرت شیخ موجود تھے)

خاص طور پر حاضر ہو کر اپنے ہمراہ بذریعہ اسپیشل ٹرین قادیان چلنے کی درخواست کی تاکہ حضرت کے فیض سے اس مہم میں کامیاب ہوں جو حضرت شیخ قادیان تشریف لے گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے حضرت شیخ قبلہ کی صدارت میں جلسے سے خطاب کیا۔ دوران تقریر حضرت شیخ اٹھنے لگے معاً حضرت شاہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ تقریر صرف جواب دالا کا تصرف ہے اگر آپ تشریف لے گئے تو پھر میں تقریر نہ کر سکوں گا، اس لئے آپ تشریف رکھیں، اور فرمایا کہ میری مثال پستول کی ہے آپ اس میں روحانیت کا بارود ڈالنے رہیں گے میں چلاتا رہوں گا جو حضرت قبلہ شیخ آخر وقت تک تشریف فرمائے ہے اور شاہ صاحب نے نہایت پُر اثر بصیرت افراد اور مدل تقریر فرمائی۔

ایک مرتبہ رنگ پور تعلق سمرستہ ریاستان میں حضرت شیخؒ کے ہمراہ سفر جاری تھا، اور حضرت شیخؒ کے اوپر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی جس کے تاثرات اور پرتو جماعت پر یہ تھے کہ تین دن تک کھلنے اور پینے کی حاجت نہ ہوئی صرف ذکر اللہ کا شعل جاری رہا، نماز پنجگانہ با جماعت اور مراقبہ جاری تھا۔ تین دن کے ختم پر آبادی میں تشریف لائے کھانے پینے کی خواہش حضرت شیخؒ اور جماعت کو ہوئی۔ کھانا پکایا گیا اور سب نے کھایا۔

اللہ کریم نے حضرت شیخؒ کی چادر مبارک میں یہ فواید کا تعلق رکھا تھا کہ ہر شادی بیاہ یا بڑی دعوت کرنے والا آپ کے ماحول والا چادر مبارک لے جا کر ان برتنوں پر ڈال دیتا تھا جن میں کہ کھانا ہوتا تھا۔ ایک کونے سے کھانا نکالا جاتا، اللہ کے فعل و کرم سے برکت ہو جاتی اور پورے اجباب سیر ہو کر کھانا کھاتے۔

حَلِيَّةٌ مُبَارَكٌ

حضرت قبلہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ

رنگ گندم نہما ، قد مبارک درمیانہ تھا۔ پیشانی مبارکے انوار تحلیلات کے عیاں تھے۔ کاشتکاری کرتے تھے۔ موٹا لباس پہناتے تھے، اولاد آپ کی کافی تھی مگر صاحب وصال ہوتی رہی آپ کے وصال کے وقت تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں غالباً باقی تھیں جن میں دو صاحبزادیاں اب بھی زندہ ہیں۔ شادی شدہ ہیں۔ آپ کے وصال کے ساتھ ہی چھ ماہ کے اندر اندر صاحبزادے دارفانی کو بسیک کہہ گئے۔

حضرتہ والدہ ماجدہ صاحبہ (اہلیۃ حضرت شیخ) بفضل تعالیٰ زندہ ہیں۔ اللہ کریم ان کو زندگی طویل عطا فرماتے — آمین ثم آمین۔ مسکین پورہ میں قیام ہے۔

حصہ دوہم

تجلیاتِ مکی

سیدی و سندی و مولائی امام العلما والصلحا و السالکین
 قطب دوران نور المشائخ شیخ العرب والیعم حضرت
 مولانا مولوی شاہ محمد عبدالماک صاحب نقشبندی
 مجددی مدظلہ العالی کی عارفانہ زندگی اور ان کی مبلغانہ
 جدوجہد کا ہلکا سا پرتو۔

ولادت مبارکہ

۱۳۱۹ھ ذی الحجه بوقت تہجد، مقام بستی ڈھکوان (موہانیاں) احمدپور
شرقیہ، ریاست سیخاول پور، پنجاب (پاکستان)

ایتدائی حالات

حضرت قبلہ مولانا محمد عبدالملک صدیقی صاحب کو زبدۃ القطاب الارشاد
وغمدة الابداں والا وقت مقبول حضرت اللہ الغنی مولانا و مرشدنا المولوی محمد فضل علی شاہ
صاحب قریشی عباسی ہاشمی نقشبندی سے خلافت ہے۔ آپ کے والد کا اسم گرامی مولوی
نور محمد صاحب تھا، جو ریاست سیخاول پور (پنجاب) کے زمیندار بھٹا خاندان سے تھے۔
اس خاندان میں اکثر اہل اللہ اور ایامِ کرام گذرے ہیں چنانچہ آپ نے خود یوں فرماتے ہیں:
”آپ اپنے والد کی دسویں اولاد میں۔ آپ سے قبل ۹ سویں پیدا ہو کر فوت ہوئے
جن میں سے صرف دو سویں شادی شدہ ہو کر فوت ہوئے۔ ان میں سے ایک مولوی
صحاب، صاحب اولاد ہو کر فوت ہوئے۔ ان کی بیوائیں کافی عمر پا کر گھر میں والدہ
ماجہہ کے ہمراہ رہیں۔ مولوی صاحب کے صاحبزادے بعد اخالق صاحب ما شا اللہ
حیران ہیں، اور ۱۳۰۹ھ میں نجج بیت اللہ میں میرے ہمراہ تشریف لے گئے تھے۔ اس
علماء دو بہنیں حیات رہیں اور کافی عمر پا کر وفات پائی۔ آپ کے نویں بھائی

لہ بستی ڈھکوان، جو کراچی پور شرقیہ سے ایک میل کے فاصلے پر سمٹ شمال میں واقع ہے، جو کہ ریاست سیخاول پور (پنجاب) کا ایک موضع ہے۔ لہ حضرت شیخ مولانا مولوی محمد عبدالملک صاحب صدیقی نقشبندی مجددی۔

عبدال قادر جو کہ آخری بھائی تھے، عالم شیر خوارگی میں پہلوے مادر سے چار پانی پر سے
غائب ہو گئے۔ والدہ صاحبہ نے خبر دی کہ مجھے رونے کی آواز آسمان کی طرف سے آرہی
تھی، والد صاحب قبلہ نے اسے غلط سمجھا اور بیاڑ لاش بچہ نہیں ملا۔ علماء کرام موجودہ
وقت سے استخارہ کرانے پر معلوم ہوا کہ ملک شام و عراق میں ابدال کی تعداد چالیس
نفوس کی ہے، ان میں سے ایک کم ہو گیا ہے۔ اس کمی کو بحکم ربی اس معصوم کو اٹھا کر ہاں
پہنچا دیا گیا ہے۔ آخرت سے پہلے ملاقات ناممکن ہے۔ بچہ صحیح و سالم رہے گا متفکر نہ ہوں۔
خواجہ اللہ نجاش چو خاندان اویسہ کے شیخ تھے، والدہ ماجدہ کے اصرار پر احمد پور شرقیہ
تشریف لائے جو کہ خاندانی پیر تھے۔ ان سے اولاد کے لئے عرض کیا۔ شیخ محمد وحش نے فرمایا
کہ بچہ ملنے گا مگر درولیش ہو گا اور در دراز سفر کرے گا اور تمہارے پاس نہیں رہے گا۔
اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ کی دعاؤں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہم از ایام
ماہ ذی الحجه ۱۳۱۹ھ بوقت تہجد میری ولادت ظہور میں آئی۔

تعلیم و تربیت

تعلیم و تربیت کے متعلق آپ خود یوں فرماتے ہیں۔ مولوی محمد دین صاحبؒ کے
ہاتھ پر قرآن کریم شروع کیا اور نوماہ میں یمعہ قاعدہ ختم کیا۔ اسی اثناء میں پچھھے دن تراویث
کا کام شروع کیا۔ اچانک والد صاحب کو اعضا کی نزاکت کا خیال آیا کہ اسے دینی تعلیم کے
لئے شہر بھیج دوں۔ والد صاحب نے ہمشیرہ صاحبہ کے پاس خوردنوش کا انتظام کیا
جو کہ شادی شدہ تھیں۔ اس طرح تعلیم کا سلسلہ جاوی رہا کبھی غیر کے دست نکر نہیں ہوا۔

استاد

مولوی اللہ نجاش صاحب کے سپرد ہوا۔ عربی کی تعلیم اپنے بہنوئی مولوی بیشیر احمد
صاحب اور ان کے برادر بزرگوار مولوی عبد العزیز صاحب سے حاصل کی۔ یہ حضرت
غیر مقلد تھے، مگر صاحب روایت تھے۔ فتن صدیقیت میں مشکوٰۃ شریف شروع کی۔ استاد

لئے حضرت مولانا مولوی محمد عبد الماک صاحب صدیقی نقشبندی مجددی۔

لئے والد ماجد کے ہمراہ۔ لئے ہمشیرہ کے پاس شہر میں۔

کی غیر مقلدی کے اثرات وارد ہوتے اور میں یاد جو دخاندان حنفیہ سے تعلق کے غیر مقلد عقائد کا ہو گیا، گواں سے والد صاحب کی طرح میں بھی دخاندان اویس میں بچپن ہی میں بیعت ہو گیا تھا، اور اسی عالم میں جوان ہوا، لیکن عقائد میں اس وقت بھی اول شیخ سے منحرف بھی نہیں ہوا تھا۔

اسی آنے میں حضرت قطب الارشاد مولانا محمد فضل علی صاحب قریشی عباسی
ہاشمی احمد پور شرقیہ تشریف لائے تھے۔

وجہ بیعت

میری عمر اس وقت سولہ سترہ سال کی ہو گی۔ ہنوز تعلیمی سلسلہ جاری تھا ہمشیرہ صاحبہ سے معلوم ہوا کہ تیرے استاد ایک شیخ وقت سے ملنے مسجد قبۃ والی میں گئے ہیں اور مولانا عبد العزیز بھی وہاں گئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں بھی بوقت عصر حاضر ہوا۔ دیکھا کہ مجمع علماء صلحاء اور امراء کا موجود ہے اور مرافقہ کرنے کا انتظام شروع ہے۔ چنانچہ مرافقہ شروع ہوا، اور میں نے بھی کپڑامنہ پر ڈال کر حضرت کا چہرہ دیکھنا شروع کیا۔ حضرت شیخ اس وقت بغیر کپڑے کے توجہ دے رہے تھے۔ فیضان الہیہ کے جوش سے شیخ پر مشاہدہ حضور انور سیدنا و مولانا رسول اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا اور ندائیہ کلمات صلوٰۃ وسلام کے ساتھ شروع ہوئے۔ ندائیہ کلمات حضرات شیخ کی زبان مبارکے بالجھر ظاہر ہوئے تھے۔ یاد جو داس کے کہ غیر مقلد کا فی تعداد میں تھے مگر کسی شخص کو شیخ سے بد اعتمادی نہیں ہوئی، بلکہ وجہ مزید تقویت اعتماد شیخ ہوا۔ جب ندائیہ کلمات حضرت شیخ کی زبان مبارکے بالجھر ظاہر ہوئے تھے اس وقت چہرہ مبارک پر انوار و تجلیات کی انتہا تھی۔ میرے قلب میں فوراً بیعت کرنے کی اعتمادی صورت اختیار کی اور میرے کرأتا دنہم بر ۲ مولوی عبد العزیز صاحب نے شیخ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہماری مسجد شیشم دالی میں نماز مغرب پڑھائیں۔ حضرت نے اس دعوت ادا ایسی نماز کو قبول فرمایا۔ چنانچہ ہم لوگ قبل مغرب دا پس ہوئے۔ اپنے بہنوئی دیزراستدارے بطریق سنت مشورہ کیا کہ میں اس شیخ سے بیعت کر لوں کہ میرا ارادہ بیعت کا ہو چکا۔

لہ شیشم دالی مسجد، یہ مسجد اس زمانے میں غیر مقلدوں کا گڑھ تھی اور اب بھی ہے۔

ہے مولانا بشیر احمد صاحب نے جواب میں فرمایا کہ فوراً بیعت کر لیں، اس وقت میں ایسا کوئی شیخ نہیں۔ شیخ متبوع سنت ہیں۔

میں مغرب کی نماز کی اذان دے رہا تھا۔ حضرت شیخ کی نگاہ تو عمری کی وجہ سے مجھے پر پڑی اور اسی دوران آذان توجیات شیخ میری طرف مبذول ہوتے ہوئے معلوم ہوتے۔ چونکہ میں مکبرتھا اس لئے حضرت شیخ کے پیچے کھڑا ہوا تھا، نماز کے بعد میرے استاد مولانا بشیر احمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہ بیعت ہونا چاہتا ہے۔ حضرت نے فوری منظوری کا اظہار فرمایا اور مجھے دوزانوں بیٹھنے کا حکم دیا اور حاضرین سے فرمایا کہ ایصالِ ثواب کے لئے الحمد شریف، درود شریف اور قل شریف پڑھ لو۔ حضرت شیخ نے خود بھی یہ کلمات ادا فرمائے۔ میں نے ایک قلبی لذت محسوس کی، جسے میں نے اپنے تمام وجود میں محسوس کیا۔ یہ شیخ کی توجہ بھتی۔ حضرت شیخ نے اپنے دست مبارک پر بیعت فرمایا، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جسے مراقبہ میں شمولیت کرنی ہو وہ بوقت خناقہ دامی مسجد پہنچے۔ چنانچہ عشار کی نماز کے بعد بوقت مراقبہ مجھے حضرت شیخ کی دامی بڑو مصلے کے قریب جگہ مل گئی۔ حضرت شیخ نے توجہ خاص عطا فرمائی اور اول مراقبہ میں ہی قلب پر ذکر اللہ جاری ہوا اور اندازی زدہ اذان سے ہوا کہ مسجد کے بیشتر آدمی اٹھ کر ذکر دیکھنے لگے کہ یہ آذان کہاں سے آئی ہے۔ میں اس وقت باہوش بیٹھا تھا، کسی قسم کی بیہقی طاری نہیں ہوئی تھی۔ لوگوں کو متوجہ دیکھ کر حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ پچھہ تم میں سے ہے میرے ساتھ آنے والوں میں سے نہیں کہ کہیں تم اندر لیشہ کرو کہ نصعہ ہے۔ اللہ کریم نے تمہارے لئے 'برہان'، قائم فرمایا اور قلبی ذکر کے اجراء کا مشاہدہ کرایا ہے۔ قرآن میں فرمایا ہے کہ قلبی ذکر پاتی ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد مجھے کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تم کو کچھ توجہ دی ہے اس کی قدر کرنا۔ جس کا اثر انداز آتین برس برابر شب کا سونا ترک ہوا، اور

لہ اذان اور تکبیر یا کسی اور بناء پر کوئی تخریج نہیں ملتی تھی، اللہ عزوجل کے گھر کی صفائی اذان اور تکبیر صرف اللہ کی رضاکی خاطر کرتا تھا۔ بوقت تولد یعنی پیدائش میری والدہ صاحبہ نے اللہ عزوجل سے یہ سنت (وحدہ) دیا تھا کہ اللہ میرے پیچے کی عمر دراز کرے میں اسے تیرے گھر کی صفائی کرنے والا بناوں گی بغیر کسی معادھت کے۔ والدہ ماجدہ کی دعا کی وجہ سے میں اس خدمت کے لئے وقت تھا اور مسجد کی صفائی کے لئے ایسی کوشش کر کے عمومی تکمیلی ڈرائیور گفتائی کیا۔ بایس وجہ آج یہ معادھت نصیب ہوئی کہ حضرت شیخ کو میری اذان پسند آئی۔

مراقبہ کی کثرت نصیب ہوئی۔ تمام رات مراقبہ میں گذر تھی رہی۔ ذکر اللہ نے اتنی ترقی کی کہ ایک دن غسل خانہ مسجد میں گرمی کی شدت سے غسل کر رہا تھا کہ اچانک قلب کے مقام پر نظر پڑی تو قلب کے مقام پر اسم ذات اللہ نقش کیا ہوا نظر آیا۔ مجھے ایسی خوشی ہوئی کہ کافی ذیر تک اسے دیکھتا رہا کہ شاید پھر نظرتہ آئے۔

حضرت شیخ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں حضرت شیخ کی طرف سے ایک ذریعہ سے اطلاع پہنچی کہ ہم احمد پور شرقیہ نہیں آئیں گے جبکہ تو خود ہمارے پاس نہیں آئے گا۔ اور اس طرح پہلی بار حضرت کے مقام پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں اس وقت میں آئیں بالجہر فاتحہ خلف امام اور رفع یدیں کرتا تھا حضرت شیخ اپنی کوتنفر سے نہیں دیکھتے تھے بلکہ نہایت محبت کے ساتھ فرمایا کہ ہمارے مذہب حنفیہ میں بھی اس فعل کو کرنا مستحب ثواب میں رکھا گیا ہے میگر دیکھنا جیسے تمہارے نزدیک یہ سنت ہے تو سنت کے لحاظ سے یہ کیا کریں۔ اگر یہ ارادہ ہو کہ آئیں بالجہر پر احانت کو ایذا پہنچے تو تمہاری نماز خراب ہو گی ہنفیوں کا کچھ نہ بگڑے گا۔ دوسرا آئیں کہا کرو اذان نہ دیا کرو۔ پس تاثرات اس کلام مبارک کے قلب پر وارد ہوئے کہ مشترب میں مقلد ہو چکا ہوں مذہب میں تقلید قبول نہیں کر رہا۔ معاملیں نے تقلید قبول کی اور پھر حنفی المسلط ہوا، اور یہ چیزیں ترک کر دیں۔ الحمد للہ نجات متحب کے سنت پر پابندی نصیب ہوئی۔

حضرت شیخ کی محبت انہا کو پہنچی، مجھے اولاد میں تصور فرمایا، اور کیفیات قلب لیعنی داروں اس کشیفات اتنی کثرت سے ہونے لگئے کہ کوئی وقت فراغت کا نہیں ملتا تھا۔ جب حضرت کو عرض کیا تو فرمایا کہ ان حالات کو قلمبند کر کے مجھے بھیجا کر۔ چنانچہ اس پر عمل کرنا شروع کیا کیسی حال پر حضرت شیخ نے کہیں اعتراض نہیں فرمایا بلکہ مصدقہ حیثیت باقی رہی۔ مختلف حالات کے ساتھ ساتھ بڑی سعادت یہ نصیب ہوئی کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ مجھ کو فرمی مراقبہ کی حیثیت حاصل ہوئی اور فرمایا کہ ہاتھ دراز کر میں تجھے بیعت کرتا ہوں۔ میرے منہ سے جواب میں پیش ہوا کہ میں بیعت ہو چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سے بیعت ہوا ہے۔ جواب اعرض کیا حضرت قریشی صاحب سے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ دراز فرمایا یہ قریشی کے ہاتھ ہیں۔ معاملیرے ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں پہنچے۔ باقاعدہ بیعت ایمان مفقصل پڑھا کر فرمائی اور ساتوں لطاں پر انگشت مبارک رکھ کر اس نام ذات تبلیا

اور خاص توجہ سے نوازا۔ الحمد للہ شیخ کی محبت نے نسبت کو انتہائی قرب عطا فرمایا۔

ایک دن جالندھر کے قیام میں حضرت شیخ کی معیت میں حاضر تھا اور میر نشست حضور کے باکل سامنے تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلغہ انزل آیت تا علق" میں اس کے معنی کو سمجھتے ہوئے عرض کرتا ہوں۔ یار سوا اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ تو میرے مرشد کا حق ہے۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ نہیں، یہ فر تیرے لئے ہے۔ بار بار جب یہ فرمان ہونے لگا تو میں نے حضرت شیخ کی طرف دیکھا اور حضرت قبلہ شیخ مسکرا رہے تھے بشرط کی وجہ سے میں نے عرض کیا جو حضرت میں ذرا باہر جاتا ہے فرمایا، جا مگر یہ فرمان برابر جاری رہا۔ اس کے بعد میں واپس آیا اور یہ سفر جالندھر کا ختم ہوا چنی گوت، ریاست بھاول پور میں ایک مقام ہے جو حضرت شیخ کی معیت میں حاضر تھا جو حضرت شیخ مع جماعت چنی گوت کے جنگل میں یعنی آبادی سے باہر بہتر ہوا پا تشریف لے گئے تھے۔ میں چنی گوت کی آبادی میں تھا، اس اثناء میں حضرت شیخ کو وضوتازہ کرنے کی ضرورت پیش آئی جو حضرت مولانا عبد الغفار صاحب دوڑے ہوئے میں کے پاس پہنچے اور فرمایا تو کہاں ہے جو حضرت شیخ خوفتاً اسٹھے اور جنگل میں دوڑے لگے اور سمجھے آواز دینے اور ہم سمجھتے تلاش کرنے لگے۔ میں تھا یہاں پہنچا ہوں کہ شایا تو شہر میں ہو۔ میں دوڑتا ہوا حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ حضرت شیخ دوڑ رہے ہیں اور میر انام پکارتے ہیں اور کیفیت حال میں مستغرق ہیں۔ میں کافی تیزی کر کے اس حال میں حضرت کے سامنے ہوا جو حضور مہنس برہے تھے۔ فرمایا "آگیا" عرض کیا حاضر ہوں اور یہ لوٹا پانی کا بھی حاضر ہے۔ چونکہ لوٹا اور مسوک سفر میں میرے سپرد رہا کہ تھا، تمام جماعت کو یہ علم ہو چکا تھا کہ حضرت پر ایک کیفیت ہے اور سمجھو فی، راز کی بات ہے۔ چنانچہ وہ سب دور کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ نے وصو فرمایا جب وضو ختم ہوا تو دور کعت نقل ادا فرمائے اور دعا فرمائی۔ پھر بعد تا جلدی کھڑے ہوئے اور اپنی نعلین مبارک کو میرے سامنے سیدھا کر دیا اور حکم دیا کہ اس کو پہن لے۔ میں اس حال کو اپنی گستاخی اور بے ادبی پر محمل کرتا ہوا کہ یہ گند آسود پاؤں شیخ کی نعلین مبارک میں کبیے ڈالوں اور دل میں اللہ کریم سے دعا کی کہ إِلَهُ الْحَزْنَ شیخ کے قلب مبارک

۱۶ حضرت قبلہ مولانا محمد فضل علی صاحب قریشی عباسی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ۔

میں آپ ہی انکشاف فرمادیں کہ میں اس فرمان شیخ پر گویا عمل کرچکا اور مجھ سے بے ادبی صادر نہ ہو جائے۔ غالباً حضرت شیخ نے یہ تین مرتبہ فرمان فرمایا کہ اتنی دیر میں میری دعا قبول ہوئی کہ آپ نے میرے دامنے کندھے پر ہاتھ رکھا اور گردن مبارک تھوڑی نیچے فرمائی اور فرمایا کہ تیرا اور میرا پاؤں برابر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت برابر ہے فرمایا ”بہت اچھا“ میں نے فوراً حضرت کی نعلین مبارک حضرت کی طرف یہدھی کی او حضرت نے نعلین مبارک پہن کر چنی گوت والپی فرمائی، اور اسی خلوت میں والپی سے قبل فرمایا کہ حاجی کریم بخش کے پاس میرا نیا نعلین کا جوڑا ہے وہ اس سے تم لے لینا۔ جماعت تاک رہی تھی مگر خاص کلام مبارک سن نہیں رہی تھی جس وقت چنی گوت کی آبادی میں حضرت مع جماعت کے قیام فرماء ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے لجائز ہو کہ میں احمد پور والپی کروں حضرت نے سکوت فرمایا اور حاجی کریم بخش صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہمارا ساتھی فقیر پور شریف جانے کے لئے کون کون ہو گا۔ میں سمجھ گی کہ اس سے حضرت کا اجازت دینے کا اشارہ نہیں ہے۔ میں نے حاجی کریم بخش صاحب کو اشارہ کیا کہ میں چلوں گا اور میرا نام کہہ دے، تو حاجی صاحب نے میرا نام پیش کیا۔ حواب میں فرمایا سٹھیک ہے سفر میں بہت سامان اٹھانا ہے۔ اور مولانا عبد الغفار صاحب نے اپنا نام پیش کیا اور حاجی کریم بخش صاحب نے اپنا نام پیش کیا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ کیا ہم صرف تین باقی رہ جائیں گے اور یہ تمام جماعت رخصت ہو جائے گی۔ اس پر مجھے حیرت ہوئی کہ وہ سامان کیا ہو گا مگر اس بات سے دلی فرحت حاصل ہوئی کہ حضرت ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔ الغرض دریا پر پہنچے، اس وقت دریا انتہائی طغیانی پر تھا کہ کشتی تمام دن میں ایک مرتبہ جا کر لیسا تکلی پہنچتی تھی کہ وہی نقشہ پیش آیا۔ ہم تین خدام باقی رہے، اور باقی تمام جماعت رخصت ہو گئی کشتی میں سوار ہوئے، گرمی نے انتہائی شدت اختیار کی۔ دوران سفر کشتی میں تمام مسافروں پر پیٹہ جاری تھا کہ ایک بڑا زمیندار اس علاقے کا کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے شیخ وقت آپ کی موجودگی میں ہم تباہی کا شکار ہیں۔ آپ دعا فرمائیں حضرت شیخ دُست بہ دعا ہوئے۔ بہ مجرد دھا کے لئے ہاتھ اٹھانے کے حضرت شیخ کا رخ مبارک جانب شمال تھا۔ معاً اس طرف سے ابر کا وجود ظاہر ہوا اور فوراً بارش شروع ہو گئی، اور اتنی بارش ہوئی کہ کشتی پانی سے بھر گئی اور اس کے عرق ہونے کا خطرو محسوس ہونے لگا بلکہ پانی نکال رہے تھے، انہوں نے اپنی کوشش سے کشتی کو دھکیل کر کنارے سے باندھ دیا

حالانکہ خشکی اور کنارہ ٹھل، دریا کے نظر آتا تھا۔ اب کشتی سے اترنا شروع ہوا تو حضرت شیخ بھی کشتی سے اتر گئے۔ میں حضرت شیخ کی نعلین شریف کی تلاش میں لگا۔ مجھے نعلین مبارک مل گئیں مگر مجھے اپنی جو قیمتی ملی۔ حیران ہو کر حضرت شیخ کی طرف دیکھا حضرت کشتی سے کافی دور جا چکے تھے حضرت کے دست مبارک میں میرا جوتا تھا۔ میں نے بہت پریشان اور شرمدہ ہو کر دوڑنا شروع کیا مگر پانی کی وجہ سے دوڑنا مشکل تھا، اور شرمدہ گئی سے جا کر انہی جو قیمتی حضرت شیخ کے دست مبارک سے لے لی جضرت نے فرمایا کہ کیا ہوا میں تو لے جا رہا تھا۔ حضرت شیخ کے دست مبارک سے لے لی جضرت نے فرمایا کہ کیا ہوا میں تو لے جا رہا تھا۔ اور پرے سے بارش اور نیچے سے پانی دونوں جاری تھے۔ بڑی مشکل سے قریب کے ایک گاؤں کی مسجد میں پہنچے، وہاں پانی چین نہیں لینے والے رہا تھا۔ سچت بوسیدہ بھی اور پانی پیک رہا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت جن ہائخوں نے اس بارش کو دعوت دی ہے جب تک وہی ہاتھ نہ اٹھیں گے بارش بند نہ ہوگی۔ حضرت نے ہاتھ اوپر اٹھائے معاً بارش بند ہو گئی۔ گاؤں کے لوگ باہر نکلے، دیکھا کہ شیخ وقت تشریف فرمائیں۔ انہوں نے فو۔ چار پائیاں باہر ڈال دیں۔ رات وہاں گزاری مگر اس رات ایک نئی کیفیت حضرت شیخ چار پائیاں باہر ڈال دیں۔ رات وہاں گزاری مگر اس رات ایک نئی کیفیت حضرت شیخ سے ظاہر ہوئی۔ میں اور حاجی کریم بخش صاحب حضرت کے پریدار ہے تھے۔ جب تھکان ہوئی تو ہم بھی سو گئے۔ حضرت کے امر کی وجہ سے جب ہم سو کرائے تو مولانا عبدالغفار صاحب نے فرمایا کہ تم دونوں کے سونے کے بعد حضرت شیخ اٹھ بیٹھے اور باقیہ تمام رات مراقبہ کے حالم میں مستغرق رہے۔ (چونکہ مولانا عبدالغفار صاحب ہم دونوں سے پہلے سوچکے تھے ان نے اس کیفیت کو انہوں نے ہی دیکھا۔)

بعد فراغت صلوٰۃ الفجر علی پور کے تھے روانگی کی تیاری کی۔ میں چونکہ حضرت داہمی جانب گھوڑے کے جا رہا تھا، اور مولانا عبدالغفار صاحب و حاجی کریم بخش صاحب یا میں جانب جائز ہے تھے کہ حضرت قبلہ شیخ نے فرمایا مجھے مخاطب کر کے کہ تیر اسیق کو ناسابے۔ میں نے عرض کیا تماقیہ معیت۔ جواب میں مراقبہ معیت کی تشرح اور بڑی تعریف فرمائی، اور مزید فرمایا دلی کی انتہا مراقبہ معیت ہے، آگے مقامات انہیا علیہ السلام کے ہیں، اور معاً اسی وقت نادون فرمایا تو میرے اور پریہ کیفیت فوراً وارد ہوئی کہ میرے سر پر اور دجود پر ایک بو جھل سامان رکھا گیا ہے۔ میں گرنے لگا کہ معاً میرا ہاتھ گھوڑی کے خور جیں پر پڑا اور میں لڑاکھتا ہوا اور رکھتا ہوا کافی دور تک چلا گیا۔ پھر میں سنپھل گیا اور چلنے کے قابل ہوا بچھر مولانا عبدالغفار صاحب اور حاجی کریم بخش صاحب سے اساق دریافت فرمائے۔ ان کے

بسق مجھے سمجھئے تھے حضرت نے ان کو بھی ما ذون فرمایا مگر میں نے دیکھانا وہ گرے اور نہ لڑکھ رائے، بلکہ برابر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم سب علی پور شریف سے گذر کر فقیر پور شریف پسخ گئے، حضرت اپنے دولت خانے سے دو عمامے (صافحہ) لائے اور حاجی کریم بخش صاحبے فرمایا کہ یہ صافحہ میرے ہاتھ میں ہے وہ مستعمل ہے اور جو بغل میں ہے وہ نیا ہے، تجھے کون پسند ہے۔ حاجی کریم بخش صاحب نے مستعمل کو پسند فرمایا وہ حضرت نے ان کو دے دیا اور مولانا عبدالغفار صاحب کو نیا صافحہ بغل مبارک سے عطا فرمایا۔ میرے متعلق فرمایا کہ اس کو اپنی تعلیم (موزنیت میں تبرکاً) دے چکا ہوں۔ اس وقت یہ راز کھلا کہ تعلیم مبارک دینے کا اور جنگل میں دوڑنے کا یہ راز تھا۔ ایسی کیفیت اس سے قبل نہیں دیکھی تھی۔ مولوی نور بخش صاحب پر گریدہ طاری ہوا۔ میں نے پوچھا آپ کیوں روئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم توجہ ملے خلفا یوں ہی رہے، حضرت نے تمہیں تعلیم مبارک عطا فرمائی اور قدم بقدم چلنے کی سعادت سے مشرف فرمایا۔

سفر کے آنا میں میسکراو پر ایک حالت خلافت سے قبل ہوا کرتی تھی، وہ یہ کہ یک ییدل سفر میں مجھے یہ معلوم ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گود مبارک کو کشادہ فرمائے ہوئے ہیں۔ میں اس میں گرد جاتا اور اس کے بعد کھڑا ہو کر سفر کو طے کرتا۔ ایک دن مولانا نور الحسن صاحب نے اس کیفیت کی حقیقت سنی۔ اس کے سنبھال کا سبب یوں بناؤ کہ حضرت شیخ مجھے اکثر حالات معلوم فرمایا کرتے تھے یہ اس سبب عرض کیا کہ اس گرنے کے اندر یہ کیفیت نظر آتی ہے۔ مولانا نور الحسن صاحب نے عرض کیا کہ میں پسلے آپ کا پیر بھائی تھا، اب آپ کا فلام ہوں، مجھ کو یہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ نے فوراً فرمایا کہ اس کو ربط شیخ حاصل ہے، تم بھی حاصل کرو۔

ایک دن مسکین پور شریف کے قیام میں سالانہ اجتماع کے موقع پر جبکہ خلفاء کی جماعت جمع کرتی حضرت شیخ نے انتہائی محبت اور فرحت میں فرمایا کہ ایک شخص جو میرا پیر بھائی تھا میرے پاس آیا اور آنے کا سبب بیان کیا کہ میں نے استخارہ اس نیت پر کہ میری قسمت کس کے سینے میں ہے۔ حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب دامائی خواب میں نظر آئے اور فرمایا تمہاری قسمت منشی صاحب کے سینے میں ہے۔ دیگر یہ کہ ان کو اللہ کریم نے دو قطب عطا فرمائے ہیں۔

لہ حضرت قبلہ کے دو خطاب تھے بحیثیت تومیت قریشی عیاسی اور عمل (کتابت) کی وجہ سے منشی صاحب۔

ایک بیان اور ایک یار بیین ایک مولانا جھگی دنے شہور تھے اور لیار فرمایا کہ محمد عبدالملک احمد پور شریف کے ہیں جب میں نے اس واقعہ کو سنا تو بہت شرمند ہو کر اپنے شیخ کی فرحت پر مسرور ہوا اور حضرت شیخ نے اس طرز پر اس واقعہ کو بیان فرمایا کہ جو تصدق کے طور پر تھا میرے پیر بھائی اور خلفاء سن کر حیرت میں ہو گئے۔

ایک دن سفر میکن پور شریف سے سمت بجادل پور شروع تھا۔ اشناز راہ دریئے راوی پر جب پہنچے تو مجھے پیاس کا غلبہ تھا۔ میں نے عرض کیا حضرت میں دریا سے پانی پی لوں فرمایا پی لو۔ جب میں چلا تو میرے یچھے جماعت پیر بھائیوں کی کثیر تعداد میں پانی پینے کو آئی۔ چونکہ میں پہلے آچکا تھا اس لئے پہلے پی کر واپسی کی اور حضرت شیخ مجھ سے آگے آگے دیا سے پانی پینے کو تشریف لے گئے تھے۔ میری واپسی سے پہلے حضرت شیخ نے بھی پانی پی کر واپسی فرمائی تھی۔ اس وقت میرے ساتھ پیر بھائیوں کی زیادہ تعداد تھی اور حضرت شیخ کے ساتھ کم تھی۔ اس پر حضرت شیخ نے تفاوں لے کر ایک واقعہ بیان فرمایا۔ جیسا کہ میں حضرت کے پاس پہنچا حضرت میرے سامنے مخاطب ہوئے: "نیچے دیکھ" ایسی زمین تھی جبکہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حاصل کی، جیسے تم آئے ہوا یہ میں آیا تھا جیسے میں آیا دیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ پھر فرمایا "نیچے دیکھ" ایسی زمین تھی اور یہ کلام انتہائی درجے کی شفقت محبت اور رضا سے لبریز تھا۔

ایک دن سفر کے دوران حضرت شیخ نے فرمایا۔ اس مولوی صاحب کو دیکھو نور ایمان اس میں نہیں، اور دوسرا یہ شخص کی مثال فرمائی کہ وہ عالم نہیں مگر نور ایمان اس کے چہرے سے عیاں ہے۔ میں چونکہ گھوڑی کی گردن کے پاس چل رہا تھا جبکہ حضرت شیخ گھوڑی پر سوار تھے میں نے گھوڑی کی لگام کپڑا کر عرض کیا جضرت وہ تو آپ سے بیعت ہوئے ہیں۔ جواب میں فرمایا "بہت اچھا، اللہ کریم رحم فرمائے گا" کچھ عرصے بعد حضرت شیخ نے اسی مولوی صاحب کو ماذون فرمایا کہ بیعت کرنے کی اجازت سمجھی۔

ایک مرتبہ فقیر پور شریف قیام کے دوران حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے فرمایا مونی زمی شریف ضلع ڈیرہ اسماعیل چلانا ہے۔ دیہ مقام حضرت شیخ کے مشائخ کا ہے، میں نے عرض کیا کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیے کہ احمد پور جا کر واپس آسکوں۔ فرمایا کہ تو کرایہ کے لئے

لہ چونکہ میں ہمیشہ اپنا کرایہ استعمال کیا کرتا تھا۔

جاتا ہے، کہ ایمیرے پاس ہے۔ اجازت نہ ملنے سے احمد پورہ جا سکا۔ موسیٰ زنی شریف کا سفر شروع ہوا۔ ریل میں سوار ہو کر لعل حسین کروڑ ریلوے اسٹیشن جو راستے میں پڑتا ہے، اترے۔ فرمایا۔ میرا ایک پیر بھائی ہے اس کی زیارت کر کے چلیں گے۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ متصل اسٹیشن اپنے مکانات تیار کرائے تھے۔ حضرت شیخ قبلہ بعد ملاقات جبکہ مولانا غلام حسین صاحب دیگر کام کی دیکھ بھال میں مصروف تھے، حضرت شیخ نے جہاں سے گوارا آرہا تھا ایک تسلیم گارے کا اپنے سر پر رکھ کر جہاں تعمیر کا کام ہوا تھا رکھ گئے۔ وہاں مولانا غلام حسین صاحب بھی موجود تھے۔ مولانا نے پریشان ہو کر فرمایا کہ قریشی صاحب گارا لائے ہیں جلدی اتارو، باوجود اس کے کہ وہاں ایک اینٹ بھی الیسی نہ ملتی جو اس گارے سے لگے۔ مولانا مذکور نے فرمایا کہ قریشی صاحب آپ کے گارا لانے نے میرا کام بند کر دیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ صبح یہ غریب کام کر رہے ہیں ان کو آرام بھی ملنا چاہئے۔ مولانا پر ایک فرحت دوڑی میرا مقصد پورا ہوا۔ ایک پر جوش تقریباً سو مکان سے باہر نکل کر شروع کی۔ دیں پہلے سن چکا تھا کہ مولانا بہت پر جوش اور عمدہ تقریب فرماتے ہیں۔ تقریب کا عنوان تعریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

دوران طعام حضرت مولانا موصوف نے اپنے ہاتھ سے ترکاری ایک برتن میں تینوں کے لئے اتاری۔ ان میں حضرت شیخ، میں اور حاجی کریم بخش صاحب تھے۔ چونکہ ہم دو خدام اس سفر میں شرکیک تھے ہم دونوں اس شرم میں بیٹھے تھے کہ حضرت شیخ نے کے ساتھ ایک برتن میں کیسے کھائیں۔ حضرت نے آہستہ سے فرمایا کہ مجھ بوڑھے کا خیال رکھنا اور میرے ساتھ کھاؤ۔ ایک برتن میں کھانے کا مشرف حضرت شیخ نے کے ساتھ نصیب ہوا۔ صبح حضرت شیخ نے مولانا سے اجازت چاہی اور مولانا نے اجازت مرحمت فرمادی اور حضرت شیخ نے معافہ اور مصافحہ فرمایا، جب میرا موقع آیا تو حضرت مولانا غلام حسین صاحب نے آتنا بھیجنے کا اگر ایک سوت اور بھیجنے تو بیل کی ہڈیاں ٹوٹ جاتیں۔ اے قریشی کے مرید، غرض کہ انتہائی محبت فرمائی۔ حضرت شیخ بھی اس واقعہ کو دیکھ کر مسکرائے۔ رخصت پاکر ریل میں سوار ہوئے، اور ڈیرہ اسماعیل خاں براہ دریا خان پہنچے۔ وہاں حضرت شیخ کے ایک پیر بھائی کے مکان پر رات کو قیام کیا۔ صبح پدریعہ بن موسیٰ زنی شریف روانگی ہوئی، الحمد للہ۔

حضرت علامہ دوست محمد صاحب تقدھاری، حضرت علامہ محمد عثمان صاحب علامہ دامانی اور حضرت علامہ خواجہ سراج الدین صاحبؒ کے تین مزارات اکٹھے مسجد مبارک

کی شماںی جانب موجود ہیں، ان کے دربار میں حاضری دی جب مغرب کی نماز ہوئی مقرر امام موجود نہ تھا حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب جو حضرت علامہ خواجہ سراج الدین صاحب حمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور سجادہ نشین تھے وہ امام ہوئے، نماز پڑھائی۔ نماز کے ختم پر حضرت شیخ نے میرے کان میں آہستہ سے فرمایا، نماز مکروہ تحریم ہوگی، اعادہ کر لو میں بھی اعادہ کرتا ہوں۔ ان کلمات کو سن کر انہا درجہ کی فرحت قلب میں پیدا ہوئی کہ قبلہ شیخ کو شریعت مقدسہ کی پابندی کا کتنا لحاظ ہے کہ مرشد کے بیٹے کا لحاظاً نہ کیا، خواجہ محمد ابراہیم صاحب کی ریش مبارک چھوٹی یعنی ایک قبضہ سے کم تھی، اور فرمایا میرے پیر کے فرزند ہیں اور جانشین مگر ان سے شریعت مقدسہ کے حقوق کہیں بالاتر ہیں۔ جب رات ہوئی عشار کی نماز ختم ہوئی اور اس مکان میں سونے کی غرض سے تشریف لے گئے جہاں ایک پلنگ اور بستر جو بہتر تھا موجود پایا۔ حضرت شیخ نے دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ عرض کیا کہ حضرت سجادہ صاحب نے آپ کے لئے بھیجا ہے جسم ویا کہ اس کو کھرا کردا اور بستر کو اس کے اوپر کھو، اور فرمایا کہ میں حضرت شیخ کے مقام پر کبھی چار پانی پر نہیں سویا، اور یہ بے ادبی کبھی نہیں کی اور فرمایا کہ تمام خلفا کے ساتھ ساتھ حضرت کی زندگی مبارک میں میرا بستر ہوا کتنا تھا لیکن میں کبھی اس پر نہیں سویا، بلکہ سامنے ریت پر لیٹ کر ریت کو رضاۓ بناؤ کر سر پر کپڑا پیٹ کر سو جایا کرتا تھا، اور صبح کو حضرت شیخ کے ہمراہ نماز کو حاضر ہو جایا کرتا تھا۔ بعض دفعہ میرے پیر بھائی صاحبان میرے مرشد حضرت حضرت خواجہ سراج الدین کے حضور عرض کرتے کہ معلوم نہیں یہ قریشی رات کو کہاں رہتا ہے، اس کا بستر اور پلنگ خالی رہتا ہے۔ حضرت شیخ خواجہ مسکرا کر سکوت اختیار فرماتے تھے۔ میرا ہمیشہ کا بھی چلن اور طریقہ رہا۔ اس کے بعد حضرت شیخ نیچے زمین پر ایک کھبل کو پیٹ کر سو گئے۔ حضرت شیخ نے مجھ کو حکم دیا کہ جاؤ اور دو حضرات کی طرف متوجہ ہو کر مراقبہ کرو۔ ایک خواجہ عثمان صاحب دامائی دوسرے حضرت دوست محمد صاحب قندھاری، اور حاجی کریم سنجش صاحب تم جاؤ حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف متوجہ ہو کر مراقبہ ہو۔ جب میں دو حضرات کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا مزارات کے باکل قریب، تو حضرات کی ہم کلامی کا شرف نصیب ہوا۔ اس وقت بجائے دو حضرات کے حضرت خواجہ سراج الدین صاحب بھی میری طرف متوجہ ہوئے۔ وہ آکر حضرت شیخ کی جانب میں پیش کر دیئے۔ جب صبح ہوئی اور نماز سے فراغت ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ حضرت خواجہ علام الدین صاحب جو میں کے مرشد کے بھتیجے ہیں، ان کی خدمت

ماچلیں۔ وہاں قریب ہی میں خواجہ علام الدین صاحب ایک مکرے میں تشریف فرماتھے جو صاحب فوراً کھڑے ہوئے معاونہ اور مصافحہ فرمایا اور اپنے ساتھ بیٹھنے کو جگہ دی حضرت شیخ اس طرح ادبے بیٹھنے سامنے ہو کر جس طرح ایک غلام ہوتا ہے جس میں بانی ادب و احترام کا لحاظ پایا جاتا تھا۔ ہم دونوں خدام حضرت شیخ کے عقب میں بیٹھے ہی حضرت خواجہ علام الدین صاحب نے حضرت قبلہ سے سفر کی خیریت معلوم کرنے کے فرمایا کہ حالات نادار حضرت شیخ نے فرمایا کیا حالات نادار اور کون سے حالات دل۔ خواجہ علام الدین صاحب نے فرمایا آپ کے پیچھے یہ دو آدمی بیٹھے ہیں یعنی آپ کے میں سے ایک جو مغربی بازوں میں ہے ان پر جو حالات مزارات کے ہوئے وہ نادار حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ دو بیٹھے ہیں آپ کس کے لئے حکم دے رہے ہیں۔ فرمایا کہ پیچھے دیکھو، میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ جو چھوٹے قد کا بیٹھا ہے ہمیزید ارش کے طور پر فرمایا کہ یہ آپ کی تمام جماعت میں اہل ہے، اس کا خیال رکھنا حضرت کو بہت خوشی ہوئی میری طرف متوجہ ہوئے اور دونوں حضرات نے دعائیہ کلمات یہ لئے فرمائے۔

مزارات کی حاضری پر ایک حال یہ بھی گذرا اور معلوم ہوا کہ میں مومنی زینی شریف سجد میں ایک منبر کے اوپر بیٹھا ہوں اور میرے شیخ بھی ایک منبر پر تشریف فرمائیں۔ یہاں منبر حضرت شیخ کے منبر سے کچھ اوسنچا تھا۔ اس واقعہ کے سننے پر حضرت شیخ نے بڑی تھات حاصل کی اور الحمد للہ المحمد للہ پڑھا۔

درben مومنی زینی شریف کی سرحد پر واقع ہے۔ وہاں حضرت خواجہ عثمان صاحب فی "ملفوظات" فیوضات عثمانی" کے پاپخ نسخے حضرت شیخ نے ایک صاحب علم سے ل فرمائے۔ بعد ازاں فقیر پور شریف والپی ہوئی۔ جب یہ پاپخ نسخے حضرت نے تقسیم کے ایک نسخہ مجھے عطا فرمایا۔ میں نے حضرت کے تبیخ خانے میں جا کر ان کا مطالعہ کیا میں سلاسل سبعہ کے سلسلہ جات درج تھے میں نے دیکھے اور فوراً باہر آیا۔ حضرت میں جماعت سے کچھ کلام فرمائے تھے جو حضرت میری طرف متوجہ ہوئے۔ میں نے عثمات عثمانی" کتاب پیش کی اور عرض کیا کہ حضرت اس کے اندر جو کچھ ہے کیا اس کی اجازت ہے۔ فرمایا: اچھا، اتنا سمجھو دار ہو گیا۔ تم کو تمام سلاسل کی اجازت ہے۔ میں جا زت کو قبول کر کے دل کی زبان سے عرض کیا کہ حضرت آپ کی کرم نوازی سے

انی جرأت ہوئی۔ اس سے قبل مجھے صرف ایک خاندان سلسلہ رفتہ بند یہ مجدد یہ کی اجازت تھی۔

سفر ہندوستان (اجمیر شریف اور دہلی کا)

اجمیر شریف میں عرس کا موقع تھا جب وہاں حاضر ہوتے تو زندگیوں کا شغل اور دیگر رسومات غیر شرعیہ کا انداز حضرت شیخ نے دیکھا تو حضرت شیخ نے سجادہ صاحب سے ملاقات کی اجازت چاہی جحضرت شیخ نے سجادہ صاحب سے علیحدگی میں فرمایا کہ تمام بوجھ قیامت کا آپ پر لدر ہا ہے، بہتر ہے کہ آپ ان رسومات سے مخلوق کو منع کریں اور اپنا بوجھ ہلکا کریں، جیسا کہ زندگیوں کا آنا، سجدہ کرنا وغیرہ۔ حضرت سجادہ صاحب نے بڑی فرحت کے ساتھ اس کلام کو سن کر قبول فرمایا۔ اس پر حضرت شیخ خوش ہوتے عرس شریف کے ختم پر دہلی روانجی فرمائی۔

جامع مسجد دہلی میں قیام فرمایا، غالباً ایک یادو دن بہت مختصر قیام کیا اور مشائخ کے مزارات پر حاضری دی، اور وطن والپی کا ارادہ فرمایا۔ جماعت نے عرض کیا کہ حضرت دہلی میں کچھ قیام زیادہ ہوتا مخلوق خدا فائدہ اٹھاتی۔ حضرت شیخ نے جواب میں میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ آئے گا جماعت بنائے گا۔ پھر ہم سپہرا کریں گے۔ اس وقت مجھ کو تسلی اور خوشی ہوئی کہ الحمد للہ ربہ نے علاقے میں حضرت شیخ مجھے بھیج رہے ہیں۔ چنانچہ والپی وطن پر حضرت شیخ نے مجھے اصرار فرمایا کہ تم دہلی چلے جاؤ۔

چنانچہ میں دہلی پہنچا، تبلیغ دین اور سلسلے کے فرائض انجام دینا شروع کئے۔ الحمد للہ علماء صلحاء اور طلباء کثیر تعداد میں آنے لگے، اور حضرت شیخ نے اس واقعہ کو دیکھ کر انتہا درجہ کی فرحت حاصل کی۔ اس فرحت کی ابتداء کلیانہ ریاست جنید سے شروع ہو چکی تھی کلیانہ میں ایک رات اپنی عادت کے مطابق میں حضرت کی مسٹھیاں بھرتا تھا۔ جماعت سوچکی تھی حضرت شیخ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تجھ سے ایک بادشاہ بیعت ہو گا۔ غالباً اسی صبح کو حضرت شیخ نے عربی فارسی اور پنجابی زبان کے حلائل مرتب فرمائے جن میں اپنے نام مبارک کے بعد میرانام بھی درج فرمایا۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ ملک اور دو زبان کا ہے، اردو میں اگر یہ سلسلہ بن جائے تو اچھا تھا۔ چنانچہ حضرت شیخ نے فوراً اردو زبان میں بھی شجرہ مرتب فرمادیا۔ ان تمام سلاسل کو لے کر مع جماعت دہلی پہنچے اور اپنے خرچ پر ان تمام سلاسل کو طبع فرمایا۔ اسی شجرہ مبارک کے کوہرا جتماع سالانہ پر مولانا نور المحسن صاحب

کو امر فرمایا کرتے تھے کہ پڑھو، چنانچہ وہ پڑھتے میرا نام آنے پر حضرت کے چہرہ مبارک پر بہت فرحت نمودار ہوا کرتی تھی۔ کچھ دن کے بعد خلفاء نے مولوی نور احمد سیٹھاری کو جماعت خلفاء کی طرف سے منتخب کر کے حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجا کہ جا کر یہ عرض کرو کہ ہمارے قلوب اب کام نہیں کریں گے کہ آپ نے اپنے بعد نام محمد عبد الماک کا درج کیا ہے، ہمارا نام درج نہیں کیا۔ حضرت شیخ نے جواباً فرمایا کہ یقیں خداوندی ہے جو ہو چکی ہے، اب کچھ نہیں ہو سکتا اور یہ اللہ کے حکم سے ہوا ہے۔ مولانا اداپس ہوئے اور خلفاء کو یہ حال سنایا۔ لیکن تمام خلفاء حضرات نے سلاسل میں اپنے اپنے نام خود درج کئے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ نے صرف میرا نام خود درج فرمایا تھا۔ یہ وہ سعادت ہے جو حضرت شیخ کی شفقت خاصہ سے مجھے نصیب ہوئی جو طریقہ اہل اللہ میں چلا آ رہا ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

دلہی میں ایک مرتبہ شہر کی جماعت نے خواہش کی کہ شہر میں قیام ہونا چاہتے، تاکہ شہر والوں کو فائدہ پہنچے۔ اس وقت میں حضرت مولانا عبد الغفور صاحب کے مکان پر محلہ گڑ والا میل پر بھرا ہوا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ مشورہ مانا اور مکان کی تلاش میں جماعت نکلی۔ حکیم بھینسے والے جو قاضی حوض کوچہ پنڈت میں مطب کیا کرتے تھے ان سے پہنچ کر معلومات حاصل کیں۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ میرا چو بارا ہے جس میں جنات ہیں، جو آتا ہے بھاگ جاتا ہے۔ اگر پسند ہو تو خالی ہے۔ چنانچہ مجھے جماعت نے بخردی۔ میں نے کہا جنات سے اتفاق کر لینا آسان ہے، لہذا وہ چو بارا لے لو۔ چنانچہ چو بارا لے لیا اور حکیم صاحب نے تین ماہ تک کرایہ قطعاً نہیں لیا، اس کے بعد لینا شروع کیا وہ بھی تھوڑا سخت ہوا۔ میں نے الحمد للہ اس چو بارے میں آٹھ ماہ مسلسل قیام کیا۔ اس قیام میں پہلی ہی شب کو جنات نے کچھ اپنا تعرف دکھایا، مگر میں نے کہا، بھائی اب فیصلہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم تم مل کر خدا کو یاد کر سکتے ہیں، اگر پسند نہیں تو تم بھاگ جاؤ۔ مجھے یہ جگہ مفت مل گئی ہے میں چھوڑنے والا نہیں۔ چنانچہ پھر کوئی کارروائی چنزوں نے نہیں کی۔ پھر میں نے پر امن طریقہ پر آٹھ ماہ مسلسل گذارے پھر میں اپنے وطن واپس آیا۔ میرے چھوڑتے ہی کرایہ دار اس میں آگئے، لیکن جنات نے کوئی حرکت نہیں کی۔ یہ علامت ہے کہ جنات اس مکان کو بالکل چھوڑ گئے۔

انبالہ حکیم ناصر الدین صاحب مجھے دعوت دے کر لے گئے۔ اپنی بیعت کے بعد ان کے مطب کے قریب ایک چو بارا تھا۔ بہت بڑا کھلا؛ اس میں بھی جنات کی شکایت تھی، کرایہ برکوئی شخص نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کو پسند کیا۔ اول شب کو میں جو سوچا

میکرپاؤں کی جانب ایک انسانی شکل میں یقیناً جن ہو گا، جو بڑھتا بڑھا اپنا سر آسمان تک لکھا یا میں نے اس کو کہا کتنا قد مبارکے گا۔ میں نے یہ مکان نہ چھوڑنا ہے۔ اگر تو نے خدا کو یاد کرنا ہے تو ہمارے سامنے رہ جاد رہ چلا جا۔ چنانچہ ایک ماہ میں سکھر کر رخصت ہوا پھر کوئی حرکت نظر نہ آئی۔

سفر دہلی سے فارغ ہو کر احمد پور پہنچا معلوم ہوا کہ حضرت شیخ سفر سندھ میں تشریف فرمائیں۔ چنانچہ میں سکھر حاضر ہوا جحضرت شیخ کی زیارت و ملاقات حاصل کی جحضرت شیخ چنے نے ملک فرماتے ہی مجبت اور فرحت سے فرمایا کہ اللہ کریم تم کو امام العلماء بنالے یا بنائے گا کچھ دن کے بعد میں نے واپسی کی تو آپ میرے سوار کروانے کے لئے استیشن پر چلنے کے لئے فرمایا میں نے کافی عرض کیا کہ آپ استیشن پر تشریف نہ لے چلیں مگر حضور نے فرمایا کہ تم کو سوار کرو اکر واپس آؤں گا۔ چنانچہ میں آپ کی معیت میں استیشن تک آیا۔ مجھے ریل میں سوار کرایا پھر بعد واپس تشریف لے گئے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ احمد پور شرقیہ تشریف لائے اور مولانا بشیر احمد صاحب کے گھر تشریف فرمائے گردئے کیا۔ بعد فراغت مراقبہ باہر تشریف لائے۔ سامنے میرا مکان تعمیر کے اعتبار سے ناقص نظر آیا۔ مولانا بشیر احمد صاحب سے دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے جو ناقص کھڑا ہے۔ مولانا نے میری جانب اشارہ کیا کہ اس کا ہے۔ حضرت شیخ سمجھے کہ تعمیر مکمل کرانے کی طاقت نہ ہو گی، تو فرمایا ایک آدمی کو کہہ جامسجد میں اور جماعت سے کہو کہ میرا جھرہ بتنا ہے۔ تمام جماعت یہاں آجائے۔ چنانچہ تمام جماعت فوراً پہنچی، اور حضرت شیخ چنے خود ہی انیسیں اٹھانا شروع کر دیں، اور شام تک اس کی چھت تیار ہو گئی۔ یہ اندازِ محبت تھا کہ میرے مکان کو فرمایا کہ یہ میرا جھرہ ہے۔

ایک مرتبہ احمد پور شرقیہ مسجد قبة والی میں حضرت شیخ تشریف فرماتھے میں حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی فرمانے لگے کیا نقی اثبات کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا "جی ہاں"۔ فرمایا نقی اثبات کو ترک کر دے، ایسا نہ ہو کہ تو کپڑے پھاڑ کر جنگل چلا جائے۔ اس باعث میں نقی اثبات کی تعداد (۲۱) مرتبہ ایک سانس میں پوری نہ کر سکا، اور جب کبھی حضرت شیخ جماعت کے لطائف تازہ فرمایا کرتے تھے اور مجھ کو سمجھی یہ سعادت حاصل ہوتی تھی مگر میرے لطائف پر انگشت مبارک نہایت آہستہ پہلو کی جانب رکھ کر اللہ اللہ فرماتے تھے، جبکہ دوسروں کے لطائف پورے کی طرف سے رکھ کر تازہ فرماتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ میرے

لطائف انتہائی لطافت اور نزاکت اختیار کر چکے تھے حضورؐ کی توجہات کے باعث
اس نے حضرت شیخ صرف اشارے کے طور پر میرے لطائف تازہ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سفر میں فیضان الہمیہ بذریعہ شیخ تصور کرتا ہیٹھا تھا اور فیضان الہمیہ
تیزی کے ساتھ واقع ہو رہا تھا جحضرت شیخ نے مجھے آواز دے کر فرمایا۔ یہ خیال چھوڑ دے
ایسا نہ ہو کہ تو بیہوش ہو کر ریل سے باہر چلا جائے۔ چنانچہ فرمان کے مطابق میں نے اس
خیال کو ترک کر دیا۔ میری پروردش اور درس و تربیت میرے عمل پر نہیں ہوئی، بلکہ حضرت
شیخ کی شفقت اور محبت ہی میری پروردش کرتی رہی۔ اکثر و بیشتر میرے اور پریہ کیفیت
طاری ہوتی تھی کہ میں حضرت شیخ کی گود میں پڑ کر آپ کے قلب مبارک کے اور پر منہ
رکھ کر فیضان الہمیہ کو بطریق کسی چیز کو پہنچنے کے پیا کرتا تھا، اور حضرت شیخ میری اس
کیفیت پر راضی رہتے تھے، بلکہ اپنے دست مبارک میری پشت پر رکھ کر مجمع کو نصائح
سے خطاب فرمایا کرتے تھے، اور بعض اوقات مجمع کو فرمایا کرتے کہ تم کو میں مردہ پاتا ہوں
اور اس پچے کو زندہ پاتا ہوں، اور یہ کیفیت اس وجہ سے تھی کہ حضرت شیخ کو مجھے حیرے سے
خصوصی محبت تھی جس کی وجہ سے میرے وجود پر بھی محبت کی کیفیت رہا کرتی تھی۔ اس
حال میں کہ میرے والدین (حیات)، زندہ تھے اور میں حضرت شیخ کے ساتھ سفر میں رہا کرتا
تھا اور مجھے حضرت کی شفقت سے دو قسم کی سعادت حاصل تھی۔ ایک مساوک اور دنو
کا لوٹا دوسرا بدن دبانا بکرا پنے والدین کی محبت شیخ کی محبت کے مقابلے میں نیچے
تھی، اور میں کہ والدین نے مجھ کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ تم حضرت شیخ کے یہاں حاضری
کی سعادت کو مقدم رکھو اس میں ہم راضی ہیں اور ہماری جانب سے اجازت ہے۔

ایک مرتبہ میں دہلی سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ سفر تبلیغ پر سکھر میں
ہیں۔ بوقت رو انگھی دہلی سے میں نے ایک عریفہ ارسال کیا تھا اور کچھ حالات توحید
کے بہت بار یک لکھ تھے جحضرت شیخ نے بوقت حاضری پوچھا کہ تو نے اس کی تعبیر کیا
لی ہے اور کیا سمجھا ہے؟ میں نے موقع پا کر عرض کیا کہ حضرت میں نے بار بار آپ کی

لہ اس کا باعث یہ تھا کہ میں حضرت شیخ کی مٹھیاں بھرا کرتا تھا۔ قریب قریب آدمی رات یا
پون رات حضرت جب بھی بیدار ہوتے جماعت کو سر مبارک اٹھا کر دیکھا کرتے تھے کہ وہ سوئی ہوئی
ہے، اس وجہ سے فرمایا کرتے تھے کہ اس بچہ کو میں زندہ پاتا ہوں اور تم کو مردہ پاتا ہوں۔

خدمت میں یہ عرض کیا ہے کہ مجھے اس عالم سے بخات دلوائیں اور بچالیں، میرا اس سے کوئی مقصد نہیں اور نہ میری خواہش ہے۔ حضرت نے فرمایا یہ تو سٹھیک ہے مگر تعمیر تو نے کیا دی ہے امر شیخ کے تحت میں نے تعمیر بیان کی جحضرت فرحت سے بھر گئے اور فرمایا الحمد للہ، انشا اللہ۔ اللہ کریم آپ کو ضالع بنیں کرے گا، اور دعا میں دین الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ایک مرتبہ کراچی کے سفر سے واپسی پر سکھراترا اور عید کی رات آنے والی بختی مشورہ کیا کہ حضرت مولانا تاج محمود صاحبؒ کے مقام پر پسخ کر زیارت کریں، چند آدمی اور بھی ساتھ ہو لئے۔ جب وہاں قریب پہنچے تو میں نے جماعت کو کہا کہ یا تو تم پہلے چلے جاؤ یا مجھے تنہا چھوڑو، جماعت کے ساتھ جانا خلاف ادب ہے۔ چنانچہ میں تنہار وانہ ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد جماعت کے آدمی روانہ ہو کر پہنچے جب میں اکیلا حاضر ہوا تو حضرت مولانا تاج محمود صاحب چارپائی پر آرام فرماتھے اور جماعت نیچے بیٹھی بختی۔ میں بھی نیچے بیٹھنے لگا حضرت نے مجھے امر کے طور پر منع فرمایا کہ نیچے نہ بیٹھنا اور جماعت کو حکم دیا کہ جلدی کرسی لاو۔ چنانچہ کرسی آفی حضرت نے اپنے سامنے کرسی کو رکھوا یا اور مجھے حکم دیا کہ اس پر بیٹھو۔ میں نے امر کی تعمیل کی اور بیٹھ گیا۔ مولانا نے سبے پہلے مجھے یہ فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواریخ اور بیان کے بچوں کی گرد نہیں کاٹو۔ میں نے جواب میں کہا کہ بہت اچھا حضرت آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا اہل کرے۔ جب نماز عشا کا وقت ہوا تو میں نے دل میں عرض کیا کہ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں۔ جواب فرمایا رات یہاں رہنا ہو گا۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت خوش ہو چکے اور اپنا پلنگ اور لستراپنے درویشوں کے ذریعہ سے میرے لئے رو انہ فرمایا درویش سندھی حروں کے اثرات لئے ہوئے معلوم ہوتے تھے کہ آتے ہی مجھ سے کہا کہ یہ پلنگ اور لستر شیخ کا اپنا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مشائخ معاجم امت ہوتے ہیں میں اس میں سروں گا تو جہنم کی آگ سے بھی محفوظ ہو جاؤں گا۔ اس پر وہ حُر صفت درویش بھی خوش ہو گئے اور میں بھی سوگیا۔ جب صبح ہوئی اور نماز باجماعت ادا کی تو حضرت مولانا تاج محمود صاحب با وجود قادری خاندان ہونے کے اور ہر صبح کو ذکر بالجھر کرنے کے آج مطابق خاندان نقشبندیہ کے دل پر متوجہ رہے اور جہر سے ذکر بالکل نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اشراق کا وقت آگیا مولانا نے اشراق کی نماز ادا کی۔ بعد فراغت اشراق میں نے عرض کیا کہ میں گھر جاؤں۔ فرمایا بہت اچھا، چاہے پی کر جانا۔ میرا ہاتھ پکڑ کر ساتھ ساتھ چلتے

رہے، اور مجھے رے گئے اپنے دولت کدہ کے سامنے نشست گاہ بنی ہوئی تھی۔ مجھے کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا اور خود چار پانی پر بیٹھ گئے، باقی حضرات بیخوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں خیال کیا میں چائے نہیں پیتا، آج ایک متبع سنت شیخ کے یہاں سے چائے آئے میں کیسے انکار کر دیں۔ شیخ نے فراست ایمانی سے اسے محسوس کر لیا اور قدرت نے میری مدد فرمائی کہ شیخ کے یہاں سے میرے لئے دودھ اور سب کے لئے چائے آئی۔ اس کے بعد حضرت نے مقامات جیسے ابدال، اقتداء، افراد، قطب الارشاد، قطب الاقطاب غوث الاعظم فرمایا کہ فرمایا کہ

ہر کجا چشمہ بود شیرین مردم و مور و مرغ گرد آیند

یہ شعر پڑھا اور مجھ سے دریافت کیا کہ آپ سمجھے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ سمجھا ایسے گے تو میں سمجھ جاؤں گا، اگر چہ میرے دل کو کھٹکا پیدا ہو گیا تھا۔ کہا میں آپ کو کہہ رہا ہوں کہ ایسے مقامات کے لوگ ایک جگہ پر قیام پکڑاں تاکہ مخلوق خدا فیض حاصل کرے۔ میں نے عرض کیا کہ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس کا اہل کرے۔ حضرت اٹھے اور اپنی جائیداد کے آخری دروازے تک میرے ہمراہ تشریف لاتے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت سنت ادا ہو گئی، حق الباب ادا ہو گیا۔ اب مجھے رخصت دیں۔ چنانچہ معافیۃ اور مصافحہ کر کے ردانہ فرمایا۔ یہ مولانا تاج محمود صاحب مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے مرشد نمبر ۲ تھے۔ اس ملاقات میں جو ساعتیں نصیب ہوتیں وہ فقط تصرف شیخ کا تھا۔ ایک مرتبہ تنہا میری حاضری ایک آدمی کے ہمراہ دین پور شریف ہوئی تھی۔

دین پور شریف دا لے بزرگوں نے بہت شفقت فرمائی۔ خود پینگ پر تشریف فرماتھے اور بیمار تھے جسم دیا کہ ان کے لئے جنتی کمرہ کھول دو۔ جنتی کمرہ اس کمرے کا نام رکھا ہوا تھا جہاں شمال اور جنوب کی ہوا خوب آتی تھی۔ الحمد للہ مجھے شیرف متبع سنت شیخ کی زبان سے داخلہ جنت نصیب ہوا۔ انتشار اللہ تعالیٰ حزور آخرت میں بھی جنت نصیب ہوگی۔ یہ تقاول اس وقت قلب میں مفبوط پیدا ہوا۔ اس وقت میرے صافحہ کے اندر ایک انگلی کے برابر بچا ہوا مسوک بندھا ہوا تھا۔ دین پوری بزرگ کی بگاہ جب اس پر پڑی تو دریافت کیا کہ یہ مسوک ہے۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ مجھے حکم دیا کہ یہ مجھے دے دو۔ میں نے اپنے صافحہ کے پلے سے کھول کر پیش کر دیا جضرت نے فوراً اپنے منہ میں لے کر اسے چوتا شروع کیا۔ مجھے بہت ستر مندگی ہوئی کہ مجھے جیسے

گنگار کے منہ کا استعمال شدہ مسوک ہے مگر وہ واپس نہیں لے سکتا تھا۔ اتنے میں حضرت -
لانگری کو آواز دی، وہ آیا۔ فرمایا انگر خانے میں مسوک ہیں اٹھا لو۔ تین مسوک وہ لایا۔ ایک
مسوک شیخ نے میرے ہاتھ میں دے کر فرمایا عزیز محمد کو یہ مسوک دے دو۔ عزیز محمد میر اسے
تھا اور اسی شیخ کا مرید تھا۔ مگر میرے ذریعہ سے اس کو دینا، اس میں بھی ایک راز تھا۔ ۲
کو میری صحبت میں فوائد عملی اور اعتقادی پہنچے تھے۔ قطعی طریق پر سبحانی شیعہ ہو جکا سمجھا
ایک دن ان کے بھائی قریشی محمد سعید صاحب میرے پاس آئے اور بہت روایا کہ ہمارے
یہاں کوئی شیعہ نہیں اور یہ شیعہ بن چکا ہے، اس کے لئے کوئی دعا اور نند بیر فرمائیے۔
چنانچہ میں نے ان پر اسلام علیکم کرنا شروع کیا۔ یہ سجھ تاثرات لایا اور یہ میرے ساتھ مانوس
ہو گیا۔ پھر اس کو میں دین پور شریف لے گیا کہ ان کے وہ مرشد ہیں اشار اللہ فوائد کا سبب
پیدا ہو گا۔ اب رہے دو مسوک جو شیخ کے ہاتھ میں باقی تھے وہ مجھے عطا کئے اور فرمایا کہ آپ
کام مسوک تبرکاً میرے پاس رہے گا، اور اس کے بدل دو مسوک آپ رکھ لیں عجیب تصرف
شیخ کا مشاہدہ کیا کہ اتنے زبردست شیخ نے میرے مسوک کو اپنے منہ میں لے کر چونا
شروع کیا، اور یہ شیخ غلام محمد صاحب معروف حضرت خلیفہ صاحب نمبر ایک مرشد حضرت
مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ خان پور شریف فرمائے اور مجھے یاد فرمایا میں خان پور
حاضر ہوا۔ حضرت شیخؒ نے فرمایا دین پور شریف کے بزرگ علیل ہیں، طبع پرسی کے لئے دین پور
چلنا ہے۔ چنانچہ دین پور شریف کی روائی ہوئی۔ حضرت خلیفہ صاحب دین پوری علیل
تھے۔ عیادت کے بعد دین پور شریف کے بزرگوں نے فرمایا کہ رات یہاں قیام کرنا ہو گا۔
حضرت قبلہ شیخ نے اسے قبول کیا مگر تین شرائط کے ساتھ۔ اول یہ کہ میں کھانا تابہت ہوں،
दوم سوتا بہت ہوں اور سوم باتیں بہت کرتا ہوں۔ اگر یہ پسند ہوں تو قیام کرتا ہوں۔
درین پور شریف کے بزرگوں نے فرمایا کہ اپنی صفات میں سے کچھ حصہ ہم کو بھی دے کر جانا
جب عشار کا وقت ہوا تو خلیفہ دین پور صاحب دین پور شریف نے مجھے طلب فرمایا اور کہا
میرے لڑکے مولوی عبدالہادی اور دوسرے صاحبزادے کو اپنے مرشد اور شیخ کے یہاں
پیش کرو اور عرض کرو کہ یہ میرے بچے ہیں ان کو توجہات عطا فرمائیں کہ یہ خالی نہ رہیں۔
چنانچہ حضرت شیخ نے ان کو قلبی ذکر کی تعلیم دے کر خوب توجہ عطا فرمائی۔ رات گزار کر حضرت
نے واپسی فرمائی۔

ریاستان کا سفر کرتے ہوئے حضرت سیلانی بادشاہ جن کا ردضہ مبارک سحر طہ میں ہے، رات گزار نے کوئی پہنچا کہ اچانک عشار کی نماز کے بعد غالباً دو آدمیوں نے بیعت کا ارادہ خاہ ہر کیا۔ میں نے صاحب مزار کا ادب کرتے ہوئے مزار مبارک کے شامی جانب انہیوں میں بیعت کیا۔ تسبیح کھٹکائی بغرض توجہ، کہ یکایک ایک نوجوان مسجد کے اندر سے نکل کر صحن میں آیا اور میری جانب دیکھا۔ تسبیح کی آواز سن کر اس نے بار بار میری جانب آمد و رفت جاری رکھی۔ جب میں توجہ سے فارغ ہوا تو وہ شخص مسجد کا چراغ اٹھا کر میری جانب لایا اور میرا چہرہ دیکھا، اور پھر جا کر چراغ رکھ کر میرے پاس آیا اور بیعت کی درخواست کی۔ میں نے استفسار کیا کہ چراغ لا کر میرا چہرہ دیکھنا اور پھر بیعت کی درخواست کرنے اس میں کیا راز ہے۔ اگر تم نے یہ عمل نہ کیا ہوتا تو میں نہ پوچھتا اور بیعت کر لیتا۔ اس نے کہا کہ میں نے تونسہ شریف میں حضرت خواجہ سلیمان تونسی کے مزار مبارک پر چل کر ہیچا کہ معلوم ہو جائے کہ میری قسمت کس کے سینے میں ہے۔ آخری شب میں میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ سلیمان صاحب تونسی اور خواجہ اللہ بنجش صاحب اور ان دونوں کے درمیان ایک اور صاحب ہیں جو تسبیح کھٹکاتے ہوئے ضرب اللہ دی، اور میرا قلب جاری ہو گیا۔ اس وقت خواجہ سلیمان تونسی نے فرمایا کہ دیکھ لے تیری قسمت اس کے سینے میں ہے پس اس وقت سے میں دو عمل کرتا تھا، ایک یہ کہ آپ کی تلاش کرتا رہا اور دوسرے قلبی ذکر کرتا رہا، اور قلبی ذکر کا فائدہ یہ ہبھنجا کہ میرے تمام بدن سے اللہ اللہ ہوتا ہے اور دوسرے کشش کے طور پر یہ حاصل ہوا کہ (۵۰۰) پانچ سو میل کے فاصلے پر کسی بھی صاحب وصال بزرگ کا مزار ہوتا ہے ان سے ہم کلامی کر سکتا ہوں۔ آج آپ کی شکل دیکھنے کا شرف حاصل ہوا وہ آپ ہی ہیں۔ مجھے بیعت کر لیں۔ میں نے اسے بیعت کیا اور قلب پرانگلی رکھ کر کہ کوئی ذات بتلایا تو قلب پہلے ہی سے جاری تھا، پھر دوسرے لطیفہ روح پرانگلی رکھنی تو وہ بھی جاری تھا۔ پھر لطیفہ سرادر بیکے بعد دیگرے تمام لطائف پرانگلی رکھنے سے معلوم ہوا کہ تمام جاری ہیں۔ واقعی اس کے اس دخولے پر کہ اس کے تمام بدن میں اللہ اللہ ہوتا ہے وہ بجا تھا کہ اس کے تمام لطائف جاری تھے۔ میں اور میرے ہمراہی اور وہ شخص تمام رات ذکر میں مشغول رہے۔ ایک عجیب چاشنی اور لذت حاصل رہی۔ صبح میں اور میرے ساتھی اپنے اپنے وطن روانہ ہوئے اور وہ نوجوان بھی علیحدہ روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے آج یک پھر دوبارہ اسے نہیں دیکھا۔ خدا معلوم وہ کون تھا اور کس جگہ کا، کتنا منور اور رون

چہرہ تھا۔ اند تعالیٰ اسے میری آخرت کا آنائے مرضیہ بنائے (آئین) شاید یہ کوئی ابدال نہ تھا۔
واللہ عالم بالصواب۔

حضرت شیخؒ نے مجھے ماذدن فرمाकر ہندستان کی طرف روانہ فرمایا اور اس کا
مقدمہ کلیانہ ریاست جنید مشرقی پنجاب بنا۔ مجھے امر کیا کہ وہاں جا کر سلام کی تبلیغ کر دیں
حسب الحکم شیخ میں کلیانہ پہنچا۔ میرے کچھ پیر سجا فی حضرت شیخؒ سے بیعت شدہ وہاں
موبود تھے۔ میرے پہنچنے پر مخلوق کثرت سے حلقہ ارادت میں داخل ہوئی۔ کلیانہ کی
آبادی دس ہزار کے قریب تھی۔ غالب اکثریت انہوں نو ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ان
میں کثرت پٹھانوں اور مغلوں کی تھی، یوں شیخ اور سید بھی تھے۔ بیعت ہونے والوں میں
مردوں اور عورتوں دنوں کی کثرت تھی۔ قاری عبد اللہ صاحب اور حاجی جیون بخش
صاحب نمبر دار بہت بہت پیش پیش رہتے تھے۔ کچھ عرصے کے بعد غالباً ماہ ستمبر یا اکتوبر
میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں دعوت بھیجی، اور حضرت شیخ تشریف لائے۔ کلیانہ سے
پھر خی دا دری (موجودہ ڈالیا دا دری) کا اسٹیشن تقریباً پانچ میل دور تھا۔ قصہ کے
آدمی جماعت کی شکل کے استقبال کے لئے ہاتھوں میں بڑے بڑے جھنڈے لے کر
اللہ اکبر کے نعروں سے فضا کو معور کرتے ہوئے اسٹیشن پر حاضر ہوئے۔ شہر دا دری
کے مسلمان بھی کثرت میں پرنسپنٹ پولیس رمضان علی صاحب کی سرگردگی میں حضرت
شیخؒ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ پولیس کا کافی انتظام ہونے کے باوجود مجمع جوش
میں بے قابو ہو گیا۔ حضرت کے ریل سے اترنے کے ساتھ ہی میں فرط اسرت سے قدم بوسی
کے لئے جھک گیا۔ حضرت نے انتہائی شفقت سے اٹھا کر مجھے گلے سے لگایا۔ اسٹیشن
سے روانہ ہو کر جامع دا دری میں آرام کیا۔ میں حضرت کا بدن دبانے لگا۔ دوسرے
حضرات بھی میرے شرکیہ ہو گئے۔ میں ہمتا ہوا پر دن تک چلا گیا۔ حضرت نے انتہائی
خوشی کے عالم میں میری طرف دیکھ کر تین مرتبہ فرمایا۔ ۱۵

تیرے میرے میں فرق نہ کوئی اب میں ارجمن ہوئی

جامع مسجد دا دری میں کچھ دیر آرام کرنے کے بعد بذریعہ بیل گاڑی اور اڈٹوں پر
مشتمل جلوس کی شکل میں کلیانہ روانگی ہوئی۔ کلیانہ پہنچنے پر استقبال میں قاری عبد اللہ
صاحب نے کمال دکھایا۔ انہوں نے تین جماعتیں ترتیب دیں۔ ایک بوڑھوں پر مشتمل
دوسرا جوانوں پر تیسری بچوں پر۔ اللہ اللہ کے ذکر سے پہاڑ کو سخا کھلے۔ حضرت کا دل

بہت خوش ہوا۔

مقام کھاری ضلع بجبور بوقت در پہر مجھ پر تھکان ہوا، احاطہ مسجد جھرے میں شماں جانب سونے کو چلا گیا۔ اس میں ایک چار پانی رکھی تھی۔ در دازہ بند کر کے لیٹ گیا۔ اتنے میں شپ شپ پنکھا جھلنے کی آواز ہونے لگی اور ساتھ ہی چاپی کرنے لگے۔ میرے وجود پر ایک چادر ڈلی ہوئی تھی۔ چونکہ در دازہ بند تھا، کنڈی میں نے خود لگانی تھی۔ باہر سے کسی کے آنے کا امکان ختم ہو چکا تھا۔ مجھے یقین ہوا کہ یہ جنات کی قوم ہیں، جو بمارے دین کے شریک ہیں۔ تمام در پہر چاپی کی اور پنکھا کیا۔ جب نماز کے وقت میں باہر نکلا تو دہاں کے ساکنان سب چران تھے کہ مجھ پر پیشہ کیوں نہیں ہے باوجود اس کے کہ اس کو سکھری میں ہوا کا کوئی راستہ نہیں۔ میں نے کہا ایک تم ہی رہ گئے پنکھا کرنے والے اور کوئی مخلوق اللہ کی پنکھا کرنے والی نہ رہی۔

میں احمد پور شرقیہ کی مسجد میں در پہر کے کھانے کے بعد بیٹھا تھا، معا خیال آیا کہ قبیلوہ سنت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ السلام ہے۔ اس خیال کے آتے ہی بغرض اتباع سنت مسجد ہی میں ایک جانب جا کر لیٹ گیا۔ نیند کا غلبہ ہوا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ جانب شمال جا رہے ہیں۔ میں ان کے پیچھے پیچھے ہوں، نیز اس جانب سے ایک دریا اُنھلے پانی کا آرہا ہے جس میں ہم دونوں کے پیر ٹھنڈنے تک بھیگ کر ٹھنڈک پار رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد دریا کی درمیانی تیز رو نہیں بیت صاف و شفاف نظر آئی میں نے منہ لگا کر اس کا پانی پینا مشروع کر دیا۔ پانی پینا جاتا ہوں مگر نہ سیراب ہوتا ہوں نہ تھکتا ہوں۔ خواب ہی میں ارشاد ہوا کہ یہ رو قلب مطہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آرہی ہے۔ بیدار ہو گیا، اللہ کا شکر ادا کیا کہ اتباع سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سوچانا بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔

ایک مرتبہ دیوبند سے میرا رادہ ہوا کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی زیارت کر دیں۔ چنانچہ اس کا مقدمہ یہ پیدا ہوا کہ ایک مرید مولانا تھانوی کا دیوبند سے تھا نہ بھون جانے لگا۔ اس نے مجھے اطلاع کی۔ میں نے ایک پرچہ اس عبارت کا تحریر کر کے دیا کہ میں ایک درویش نقشبندی ہوں امید ہے کہ کہ میں بھی آپ کی زیارت کر دیں گا۔ مولانا نے اسی پرچہ پر ایسی عبارت تحریر فرمائی کہ میں اس قابل کب ہوں کہ آپ جیسے میرے پاس تشریف لا میں۔ اس وقت عبارت

کے پورے الفاظ یاد نہیں، خلاصہ یہی تھا۔ چنانچہ اس ارادے سے میں دیوبند سے اسٹیشن کی طرف چلا کہ گاڑی کچھ دیر سے آ رہی تھی۔ اتنے میں حضرت قاری محمد طیب صاحب بھی تشریف لے آئے اور میرے پاس ہی اکر بیٹھے۔ طلباء کا مجمع ہو گیا کچھ مختلف باتیں ہوتی رہیں۔ چنانچہ ریل میں ایک ہی ڈبہ میں سفر رہا۔ راستے میں حضرت قاری صاحب اتر گئے۔ میں سید حاتھانہ بھون پہنچا۔ بوقت اشراق مولانا کی مسجد پہنچ گیا مسجد کے شمالی جانب مولانا کے دردیش سے معلوم ہوا کہ سامنے جو حضرت بیٹھے ہیں یہی مولانا تھانوی ہیں۔ اس نے مجھ سے استفسار کیا کہ کیا آپ نے آئے ہیں۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا ہم اس وقت مل سکتے ہیں۔ اس نے جواب ادا کہا کہ جب نے آئے ہو تو مل سکتے ہو۔ میں دہاں بڑھ کر پہنچا تو مولانا نے مصافحہ کے بعد داقصیت چاہی، جس میں یہ بات بھی آئی کہ آپ کے اور میرے درمیان کوئی خط و کتابت پہلے سے ہو فی ہے یا نہیں۔ میں نے وہی پرچہ پیش کر دیا۔ بن مولانا کو میرے متعلق یہ علم ہو گیا کہ یہ شخص دیوبند سے تبلیغی سلسلے میں اکثر آتا جاتا رہتا ہے، تو تمام دن مولانا نے اپنا نظام الاوقات ختم کر کے مجمع کے طریق پر گذارا۔ زور پر کوئی مجمع قائم رہا اور مختلف کلام میں مشغول رہے اور مجھے بالکل اپنے ساتھی جگہ دی۔ جب ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو نماز پڑھی۔ بعد فراغت نماز میں مولانا کی نشست گاہ پر پہنچا تو مجمع بھرا ہوا تھا۔ میں سب سے آخری سرے پر بیٹھ گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ "کیا میں دہاں آ جاؤں"۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو آپ کو نہیں بلایا۔ فرمایا کہ آپ کے اس عمل کا تقاضا یہی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ میرے پاس ہی آ جائیں۔ چنانچہ میں دہاں پہنچا۔ زور پر کے کھانے کے لئے حضرت مولانا نے کہلا بھیجا کہ کھانا آپ کا میں بھیجن گیا، آپ اور انتظام نہ کریں۔ میں نے جواب میں کہلوایا کہ میسے پاس انتظام پہلے سے ہے۔ مولانا نے اس طریق دعوت کو تین مرتبہ کہلا بھیجا۔ ساتھ یہ بھی کہلوایا کہ میں اپنے گھر سے تیار کر کے بھجوتا ہوں۔ میں نے جواب میں کہا کہ میرا مقصد آپ کی زیارت کا تھا کھانا کھانا نہیں تھا۔ میں اسی پر عمل کروں گا۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشاء مولانا نے پڑھائی اور سہم سب نے آپ کے بیچھے اقتدار کی۔ جب عشاء کی نماز ختم ہوئی اور مولانا فرض نماز کے ختم پر گھر کو روانہ ہونے لگے تو میں فوراً جو توں کی جگہ پر پہنچا اور مولانا سے رخصت چاہی اور مصافحہ کیا۔ مولانا نے مصافحہ کو مضبوط رکھ کر فرمایا۔ قیامت میں میرا خیال رکھتا۔ دوسری

مرتبہ پھر بھی کلمات دہرائے۔ میں نے جواب دیا کہ مولانا میں اپنے مرشد قبلہ کے فرمان سے صحت آخرت کے لئے قصبات دیہات اور شہروں میں تبلیغ کے لئے پھرتا ہوں۔ مولانا نے پھر میری مرتبہ ان الفاظ کا اعادہ کیا کہ قیامت میں میرا خیال رکھنا۔ اس کے بعد مولانا گھر چلے گئے۔ میں نے بقا یا نماز پوری کی اور استیشن کی جانب روانہ ہو گیا، اور گاڑی میں سوار ہو کر سہارن پور پہنچا۔ اور دوسرے دن عشار کے وقت منظاہر العلوم پہنچا۔ عشار کی نماز ادا کی۔ بعد نماز عشار تمام علماء مدرسین دارالعلوم کے مجھ سے ہم کلام ہوتے، جن میں مولانا اسد اللہ صاحب، مولانا ذکریا شیخ الحدیث، قاری عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ سہارن پور اور دیگر علماء موجود تھے۔ فرمایا مجھ کو کہ اس جگہ کتنا قیام ہو گا میں نے عرض کیا کہ صحیح سورے ہی مجھے بجنور روانہ ہونا ہے۔ علماء میں سے کسی نے وکالتاً فرمایا کہ دیوبند میں تیرہ دن اس مرتبہ آپ کا قیام ہوا ہے اور اس سے پہلے بھی ہم سنتے رہے ہیں، ہمارے یہاں کیوں نہیں دن قیام نہیں ہو سکتا؟ میں نے عرض کیا کہ واقعی نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے وجہ دریافت کی کہ مجھے رجح یا ناراضی ہے۔ میں نے نفی میں جواب دیا۔ اور عرض کیا کہ میرے قبلہ شیخ بجنور تشریف لارہے ہیں، مجھے استقبال کے لئے پہنچنا ہے۔ پھر علماء نے اصرار نہیں کیا اور کہا کہ اچھا مجبوری ہے۔ لیکن پھر کبھی یہاں حاضر ہونا ہو گا۔ میں نے جواباً کہا انشاء اللہ۔ لیکن اس کے بعد قیام پاکستان تک پھر سہارن پور جانانہ ہو سکا۔

اچانک قیام دہلی میں مجھے اطلاع ہوئی کہ حضرت مولانا اور شاہ صاحب کشمیری مدرسہ امینیہ میں تشریف فرمائیں۔ میں نے ایک پرچہ اس مضمون کا لکھ کر مولانا محمد شریف صاحب کو ہستافی کے ذریعہ روانہ کیا اور وہ اتنی ہی عبارت سختی کہ میں درویش نقشبندی ہوں آپ کی ملاقات کا طالب ہوں، مجھے وقت عطا فرمائیں۔ خدا کی حکمت جب محمد شریف روانہ ہونے لگے میں نے انہیں بلوایا اور کہا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت بہت بالا ہے نہیں قرین قیاس ہے کہ انکساری بھی بلند ہو گی۔ اگر فرمائیں کہ میں خود وہاں آجائوں تو اسی جواب پر اکتفا نہ کرنا، بلکہ عرض کرنا کہ وہ آنا چاہتا ہے، یہاں وقت دیں۔ چنانچہ امینیہ میں مولانا محمد شریف صاحب نے جب پرچہ پیش کیا تو (مولانا محمد شریف کی زبانی معلوم ہوا) حضرت شاہ صاحب اس پرچہ کو کافی دیر تک دیکھتے رہے اور بعد میں فرمایا کہ یہ شیخ بزرگ معلوم ہوتے ہیں میں خود ملنے کو جاؤں گا۔ مولانا محمد شریف نے

عرض کیا کہ حضرت یہ ممکن نہیں، مجھے حکم دیا تھا کہ وہاں ملاقات کا وقت لے کر آنا جحضرت مولانا نے شریف صاحب سے استفسار کیا کہ کیا تم ان سے بیعت ہو، انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر حضرت مولانا نے فرمایا کہ اپنے محل صبح آجائیں۔ میں ”فراش خانہ“ سے مدرسہ امینیہ کی طرف چند طلباء کی میعت میں روانہ ہوا۔ بارانِ رحمت کا آسمان سے نزول ہوا۔ قلب میں معاً خیال آیا کہ یہ بڑی شخصیت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اس کا ادب بہت ضروری ہے۔ چنانچہ یہ پورا فاصلہ پیدل طے کیا اور سواری سے عذر کیا۔ مدرسہ امینیہ کی بالائی منزل میں جنوب کی جانب حضرت شاہ صاحبؒ کمرے میں تشریف فرمائے۔ جب ہم کمرے کے قریب پہنچے تو فوراً اٹھ کر باہر تشریف لائے اور مجھے معافیہ اور مصافحہ سے سرفراز فرمایا۔ میرے کپڑوں کو گیلا دیکھ کر فرمایا کہ کیا پیدل آرہے ہو۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ کی خدمت میں سواری پر کس طرح آتا۔ حضرت شاہ صاحب بہت خوش ہوئے، مجھے اپنے ہمراہ اندر لے گئے اور اپنے قریب بٹھایا۔ اچھا خاصاً اجتماع علماء اور طلباء کا وہاں موجود تھا۔

اچانک میسے رساختی اور رفیق مولوی خندلیب صاحب علاقی والے پر جذب کے آثار طاری ہوئے اور حضرت شاہ صاحبؒ مجھ سے گفتگو منقطع فرمایا کہ ادھر متوجہ ہوئے اور زبان سے الفاظ ادا فرمائے ’سبحان اللہ، سبحان اللہ، سبحان اللہ‘۔ ختم جذب پر میری طرف متوجہ ہوئے کہ یہ علماء اور طلباء معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں فارغ التحصیل ہیں از: ۱۱۱، فلاں زیر تعلیم ہیں۔ فرمایا الحمد للہ یہ اعمامۃ الہیۃ علماء طلباء کے سینے کو آراستہ کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ بہت ہی خوش ہوئے اور اضافہ محبت حاصل کیا اور رخصت ہو کر واپس لوٹا۔

اچانک ایک دن مولانا احمد علی صاحب لاہوری دہلی تشریف لے آئے اور بوقت شام فراش خانہ میں حافظ سید ممتاز علی شاہ صاحب کے مکان پر پہنچے۔ اس وقت میرے پاس کھانا آچکا تھا۔ میں نے کہا حضرت تناول فرمائیے۔ جواب آکھا کہ میں کھانا ہٹولی سے کھا کر آ رہا ہوں۔ ایک صدمہ ہے وہ سنانا چاہتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے سفر کی عدت کیا ہے۔ فرمایا حضرت شاہ صاحبؒ کی بیماری کا تجاذر، جس کے باعث دیوبند اتر نامہ اور دہلی علماء کے اجتماع میں شرکت کو بلا یا گیا اس لئے دہلی آیا اور اجتماع میں شرکت کی۔ شرکیے اجتماع تمام علماء تھے کوئی بھی عوام یا طلباء میں سے نہیں تھا۔ نمازِ عصر کا جب وقت ہوا میں نے صدر جلسہ سے عرض کیا کہ نمازِ عصر کا وقت ہے بلکہ

برخاست کر دیجئے اور فرمائیے کہ تمام علماء ایک جگہ نماز ادا کریں مگر صدر صاحب نے سورج کو دیکھ کر فرمایا کہ ابھی تو بہت وقت ہے میں نے صبر کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر عرض کیا۔ لیکن انہوں نے پھر کہا ابھی وقت ہے تیسرا مرتبہ جبکہ سورج اور دھوپ زرد شکل اختیار کر چکے تھے میں نے عرض کیا کہ نماز کا وقت مکر دہ ہو چکا ہے آپ جلسہ برخاست نہیں کرتے۔ صدر صاحب خاموشی سے مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے جلسہ برخاست کیا اور مسجد کی طرف روانہ ہوا۔ علماء صاجان کو چوں میں تقیم ہو گئے اور اکٹھی نماز نہ پڑھی۔ پھر فرمایا کہ جب ہم علماء اور مقید احضرات کا عملی نمونہ یہ ہے تو عوام کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ یہ واقعہ بیان کر کے مولانا احمد علی صاحب مجھ سے رخصت ہوئے۔

مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے جانے کے بعد دیوبند کی تیاری کی کہ حضرت شاہ صاحب کی عیادت کروں۔ چنانچہ میں دیوبند پہنچا حضرت شاہ صاحبؒ کے مکان پر پہنچ کر ان کی عیادت کی اور طبع پرسی کی سعادت حاصل کی۔ دو پھر کے کھانے کا وقت نہ تھا، طبع پرسی کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ کھانا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس دہلی سے پکا ہوا کھانا ساتھ ہے اسے کھالوں گا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کھانا یہاں کھایا جائے اور میں اس میں کچھ تشرکت نہ کروں۔ میں نے کہا کہ کچھ پس خورده ہے تو لے آئیے میں کھالوں گا۔ کھانے سے فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ پان لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں چائے کا بھی عادی نہیں ہو۔ پھر فرمایا کہ چائے لاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں چائے کا بھی عادی نہیں ہوں جس کے اضافہ ہو گا۔ میں نے پھر جواپاً عرض کیا کہ میں عادی نہیں ہوں۔ اب حضرت نے فرمایا کہ الحمد للہ، یہ دونوں علیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفظ کھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا اب کیا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میرا مقصد پورا ہو چکا ہے اب واپس دہلی جاؤں گا۔ جواب میں بطريق امر فرمایا کہ دہلی جانا نہیں ہو گا بلکہ دیوبند میں قیام کر کے درس تربیت

لہ مولانا عبدالرؤوف صاحب شیخ الحدیث (چار سدہ) نے پاکستان میں مجھے یاد دلایا کہ اس وقت قاری محمد طیب صاحب نے میرے کو آپ کے ہمراہ روانہ کیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا مکان بتلاؤ۔ مولانا عبدالرؤوف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کو حضرت شاہؒ کے مکان پر پہنچا یا تھا۔

دنیا ہو گا۔ چنانچہ میں نے محلہ محل میں چندر فقار کے مشورے سے قیام کیا۔ طلباء ربیعت میں کثرت سے آنے لگے۔ چونکہ تمام مدرسین میرے متعلق صراحتاً اور اشارات ادا لالت کرتے تھے، چنانچہ ایک دو دن کے بعد ابتدائی قیام میں قاریٰ محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند تشریف لائے۔ میں موجود نہیں تھا۔ میرے ساتھی کھانا تیار کر رہے تھے، دیکھ کر تشریف لے گئے۔ پھر دوبارہ تشریف لائے۔ میں موجود نہیں تھا۔ میرے بارہ تشریف لانے پر میری ملاقات قاریٰ صاحب سے ہوئی۔ مگر میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے ہٹھر انے کی بات کو مخفی رکھا۔ کہا قاریٰ صاحب آپ بھی صاحب طریقت ہیں اور مولانا شیخ الاسلام بھی اور مولانا شیخ الادب بھی۔ میں بھی خاندان نقشبندیہ کا موزون شدہ ہوں، اور تربیت کے درس کا اپنے شیخ سے معمور ہوں۔ کہیں آپ صاحبان کے دل میں مفاتیح پیدا ہو۔ قاریٰ صاحب نے فرمایا۔ اولین مدعی اور داعی آپ مجھے سمجھیں اور آپ ہمیشہ دیوبند میں آیا کریں تاکہ دیوبند کو روحانی فیض جو باعث ترقیات ہے وہ پھر سے نصیب ہو۔ پس میں مطمئن ہوا اور میری دیوبند کی آمد درفت بسلسلہ تبلیغ شروع ہو گئی۔ سید للہ تمام علماء اور مدرسین مدد و دعاون رہے اور کسی جانب سے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ یہ تمام فیوض و برکات حضرت شیخ قبلہؑ کے کے تصرفات تھے کہ ہر جگہ اور ہر شیخ کے یہاں قبولیت اور پسندیدگی کا اظہار ہوتا رہا۔

با اوقات مراقبہ میں ایک کیفیت طاری ہوتی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے، اور پورا و جود سمت کر تجلیات سے نفعہ نور ہو جاتا ہے (مثل ہندو کے روشن ہوتا ہے) اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم از راه کمال شفقت و محبت کے میرے وجود کو اپنے قلب مبارک میں داخل فرمائیتے ہیں۔ یہ ایک عجیب کیفیت اور لذت کا عالم ہوتا ہے۔

ایک دن بوقت اشراق ہندوستان کو میں نے خطوط روانہ کئے کہ فلاں دن فلاں گھاڑی سے میں انتشار اللہ دہلي پہنچ رہا ہوں۔ ڈاک کی سحریر کے بعد میں مراقب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائے اور مجھ کو اپنے سینہ مبارک کے اندر لے لیا، اور یہ سعادت پہلی ہی مرتبہ نصیب ہوئی اور حیرت تھی کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ اچانک صوبیدار حاکم خاں اور حافظ غلام جیب صاحبان تشریف لائے اور صوبیدار حاکم خاں نے مجھ کو عربستان لے جانے کی پیش کش کی۔ میں نے کہا کہ میرے مرشد قبلہ مدظلہ العالی موجود ہیں، ان کی اجازت کے بغیر نہیں جا سکتا۔ انہوں نے کہا ہم آپکے ہمراہ مسکین پور تشریف

حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت قبلہ شیخؒ نے مسجد کے لئے ایٹیں آدے میں تیار کی ہوئی تھیں اور مع جماعت ایٹیں اٹھا رہے تھے۔ ہم بھی اس میں شرکاں ہو گئے اور حضرت نے جب مجھے ایٹیں اٹھاتے دیکھا تو شفقت کی وجہ سے اس کو گوارانہ فرمایا، اور فرمایا کہ آدے یاں بلیھیں اور باتیں کریں۔ میں نے عربستان کی تیاری دعوت کا حال پیش کیا تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے بلا یا ہے تو جاؤ۔ صوبیدار حاکم خاں کو کچھ رقم اپنی جیب خاص سے عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اس کا نصف حصہ مکہ مکرمہ میں دینا، اور ایک لنگی اپنے پاس سے مجھے عطا فرمائی حکم دیا کہ حسین شریفین میں اس کے اد پر نماز پڑھنا۔ یہ سب سے پہلا موقع حاضری حرمین شریفین کا تھا۔

جب دروازہ بیت اللہ کھلا، مجھے بھی اندر جانے کا شوق ہوا۔ بھر میں نے دعا کی کیونکہ پیسے دے کر جانا ناجائز ہے، ہر شوط پر دعا کرتا تھا۔ آخر ساتوں شوط کے ختم پر ملتزم شریف کی حاضری پر دل میں یہ وسو سہ پیدا ہوا کہ اگر میں مقبول ہوں تو مجھے داخلہ بیت اللہ اپنے گھر میں اندر مرحمت فرمائیں گے، اور اگر مردود ہوں تو مجھے یہ سعادت نصیب نہ ہوگی۔ اس وسو سہ کے بعد میں چلا جہاں ملتزم شریف کی حد ختم ہو رہی تھی، تو اچانک زینہ بیت اللہ شریف کا خالی کیا گیا اور راستہ سپاہی کے ذریعہ سے خالی کرایا گیا۔ جملہ حجاج کو رہاں سے ہٹا دیا گیا۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا تو بیت اللہ شریف کے کلید بزار ایک سفید ریش نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ آجائیں۔ میں خالف ہوا کہ بولنے والا مجھے خاص طور پر اشارہ کر کے بلارہا ہے، کیا راز ہے۔ میں رک گیا اور دیکھتا رہا۔ انہوں نے دوبارہ فرمایا کہ آپ آجائیں میں بلارہا ہوں۔ میں ڈر آکہ کہیں یہ بھول رہے ہوں، اور بعد میں مجھے زینہ سے دھکا دے کر گردیں۔ خیر میں دل مضبوط کر کے زینہ پر چڑھا۔ دوسرا کلید بزار سفید ریش وہاں موجود تھا، اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ جب میں دروازہ مبارک پر پہنچا دنوں کلید بزاروں نے بڑھ کر مصافحہ کیا اور مجھے کہا کہ اپنے ہمراہ اپنی جماعت کو بھی بلا لیں۔ میں نے آہستہ آواز میں اور ہاتھ کے اشارے سے جماعت کے افراد کو اشارہ کیا چنانچہ تمام جماعت کے ساتھی میرے ہمراہ بیت اللہ کے اندر داخل ہو گئے۔ میرے دل پر داخلہ کے وقت یہ حالت طاری (القا) ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داخلہ بیت اللہ کے وقت اول ستوں تک سات قدم کئے تھے۔ چنانچہ میں نے چھوٹے چھوٹے سات قدم اتباع سنت میں کئے اور ستوں اول کے یاں حاضر ہو کر دوسرکعت نفل شکرانہ ادا کئے

اد را پاہی اور دوستون اور بیت اللہ کے چاروں گونوں میں نوافل ادا کئے راس کے بعد ہم کو کوئی نکالنے والا نہیں سمجھا جیسا کہ اور لوگوں کو نکالا جا رہا تھا۔ ہم لوگ ایک طرف تو بے کے دروازے کی جانب پہنچ کر کے مراقب ہو گئے۔ مراقبہ کے اول دو حضرات نے سجدہ یہ بیعت کے لئے کہا، جس میں ایک حافظ غلام جیب صاحب چکوالی سمجھے اور ان کے ہمراہ ایک اور صاحب بھی سمجھے جو میسکر ساختہ ہی عراقی کونے کے اندر میرے والد کی شکل پر بیٹھے ہوئے سمجھے اور وہ عربی زبان سمجھے، انہوں نے بھی بیعت کے لئے ساختہ بڑھائے اور درخواست کی کہ مجھے بھی بیعت کرو۔ میں نے عذر کیا کہ میں دُور کا ہوں آپ رہنے دیں۔ چنانچہ وہ چپ ہو کر میرے ساختہ بیٹھے رہے مراقبہ میں برابرِ شامل رہے۔ الحمد للہ فیضان الہیہ مثل باران رحمت نصیب ہوا، مگر جبکہ یہ خیال میرے دل میں پیدا ہوا کہ مبادا کسی کا وضو ساقط ہوا، تو چونکہ ہم بیت اللہ کے اندر ہیں یہ بے ادنی ہوگی، اور اس کا سبب میں بنوں گا۔ معاً مرافقہ ختم کیا اور دعا کی۔ جب اٹھ کر دروازہ مبارک پر آئے تو کلید بردار نے پھر مصالحہ کیا رخصت کا اور ساختہ ہی فرمایا کہ کل صحیح چائے کی دعوت قبول فرمائیے۔ چنانچہ میں نے وعدہ کیا کہ بہت بہتر میں حاضر ہوں گا۔ میری چائے کی دعوت قبول فرمائی۔ چنانچہ میں نے وعدہ کیا کہ بہت بہتر میں حاضر ہوں گا۔ صحیح کو حاضری نصیب ہوئی، اور چائے چونکہ میں پیا نہیں کرتا مگر احتراماً میں ان کے ساختہ سے پیا لی لے کر بیوں تک لے لگیا اور ادباً عرض کیا کہ میں چونکہ چائے پیا نہیں کرتا اس نے آپ اسے اشارتاً میرا چائے کا پیتا قبول کریں۔ میری چائے کو خود نے نوش فرمایا۔ میرے ساتھیوں نے چائے نوش کی اور دو حضرات بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد اسی سفر میں مزید چار مرتبہ بیت اللہ شریف کا داخلہ رحمت فرمایا۔ جب پانچ مرتبہ داخلہ کی سعادت مکمل ہو گئی تو پھر میرے دل میں یہ شوق پیدا نہ ہوا کہ میں مزید داخل ہوں، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ مرتبہ داخلہ فرمائے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر میں ایسا نہ کرتا تو امت پر یہ داخلہ گراں نہ ہوتا۔

یادداشت میں نقش راقع ہے کہ عربستان میں بوالپسی عجم یہ خیال پیدا ہوا کہ بیت اللہ شریف میں عراقی گو شہ میں جن عربی صاحب نے بیعت کی خواہش کی اور میں نے درد ری کے عذر سے بت نہیں کیا تھا، کہ وہ میرے بھائی ہوں گے جن کو عالم شیر خوارگی ملائکہ نے اٹھا۔ بتا اور جن کا نام عبد القادر تھا اور جن کو عراق اور شام کے ابدالوں میں داخل کیا گیا تھا کہ: اب ایک ابدال فوت ہو چکا ہے۔ استخارہ

علماء وصلحاء سے میرے والدین کو یہ اطلاع ملی تھی۔ اس مرتبہ یہ شبہ قوی ہوا کہ اولًا تو وہ میکروالد کے ہم شکل اور بہت مشابہ تھے، دوسرے بیت اللہ کا داخلہ آسافی شان اور آرام سے نصیب ہوا۔ غالباً اس میرے بھائی ابدال کے طفیل میں اللہ کریم نے یہ انعام عطا فرمایا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ایک مرتبہ ایک ہوٹل جدہ شریف میں کھانے کے لئے حاضر ہوا۔ کھانا آیا۔ کھانا شروع کیا۔ فوراً ایک نو عمر انوار سے بپریز شدہ، چہرہ بارعب میری طرف آیا۔ میری روپ سے لقمہ توڑا اور میری ترکاری سے لقمہ ترکر کے اپنے منہ میں ڈالا اور فوراً چلا گیا۔ صاحب ہوٹل نے اتفاقاً دیکھ لیا۔ وہ کافی تعداد میں عمدہ کھانے کے لئے کمرے قریب آئے۔ ان صاحب کی میزِ بانی کے لئے، لیکن چونکہ وہ صاحب جاچکے تھے۔ ماکان ہوٹل مشجع ہوتے کہ یہ کون شخص ہے جس کے ہمراہ ان صاحب نے لقمہ کھایا، وہ میری بڑی غرت کرنے لگے۔ میرے دریافت کرنے پر انہوں نے بتلا یا کہ یہاں کے ایک ذمہ دار حاکم ہیں۔ یعنی ابدال، ابدال وقت کی صفات وہ بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہاں ان کی کرامات بارہاظاہر ہوئی ہیں اور یہ صاحب کرامات ہیں۔ آپ کے پاس کیسے آئے اور کب سے واقعہ ہیں۔ میں نے اللہ کریم کاشکریہ ادا کیا کہ اس نے اپنے کرم سے ایک ابدال وقت اور صاحب صفات کا پس خوردہ عطا فرمایا۔ میں کو چوں میں پھر نے لگا کہ دوبارہ ملاقات ہو جائے تو میں معاملہ کروں۔ کچھ وقت کی تلاشِ جستجو کے بعد ایک دن ایک کوچہ میں دہی نوحان سامنے آیا اور معاملہ سے آکر پیٹ گیا۔ میری دلی خواہش پوری ہوئی۔ وہ معاملہ کر کے چلا گیا۔

دوسری مرتبہ ایسا ہی ایک واقعہ مدینہ طیبہ میں نصیب ہوا۔ وہ بھی نو عمر تھا، اچانک میرے سامنے آکر مجھ سے کہا۔ ”آبوبیاد واحد قرش“ جب اس نے یہ کلام فرمایا میری نظر اس کے چہرہ مبارک پر گئی۔ اس کا چہرہ ولایت کا علم بردار تھا اور انوار سے پر تھا۔ میں نے جیب میں سے تمام ریال اور قرش نکالے مگر اس اللہ کے بندے نے ریال وغیرہ نہیں لئے بلکہ واحد قرش، کہہ کر صرف ایک قرش لے لیا اور چلا گیا۔ میرے دل میں یہ تمنا باقی رہی کہ کاش وہ دوبارہ ملتا اور میں اس سے معاملہ کرتا۔ اللہ کریم نے ان کے لئے بھی مجھے الی سعادت عطا فرمائی کہ اچانک ایک کوچہ میں مدینہ منورہ میں ظاہر ہوتے ہنستے ہنستے معاملہ کیا، پیٹ گئے اور پھر چلے گئے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ایک مرتبہ جنت البقع میں پہنچ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاوی مان حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مرقد مبارک پر کھڑا ہوا تھا کہ کھڑے کھڑے آنکھیں بند ہو گئیں اس وقت ایک عجیب کیفیت اللہ تعالیٰ نے ڈال دی کہ میرا د جود ایسا بنا گو یا کہ میں دودھ پہنچنے والا بچہ جیسا ہوں، اور اخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اماں جان، جیسے تم نے مجھے دودھ پلا یا تھا دیسے ہی میرے اس بچے کو دودھ پلا وہ چنانچہ امان جان نے مجھے فوری طور پر اٹھا لیا اور اپنے بینے سے لگایا، اور میں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا، اور کہنی بار اسی کیفیت رہی۔

علاوه اس کے جب میں باب بلاں میں بہ روئے انور بیٹھ کر مراقب ہوتا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہو کر مجھ کو یہ ارشاد فرماتے: "تو مجھے ایسا پیارا لگتا ہے جیسے کہ میرا بیٹا ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے پیارا تھا۔" اتنے میں میرا د جود مثل نور مصاف کے بنتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قلب مبارک میں مجھے لے لیتے تھے، اور اس مقام میں میں اپنے آپ کو فیضان الہیہ سے فیضیا ب ہوتے ہوئے پاتا تھا، اور یہ کیفیت قریب قریب ہر حاضری اور ہر سال عطا ہوتی رہی، اور اسی کیفیت پر بعض اوقات دطن میں بھی مشرف ہوتا ہوں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ اور یہ رابطہ شیخ اور اتباع سنت کی برکات سے نصیب رہاء اور نصیب ہوتا ہے۔ چونکہ شیخ مجھ کو فرزند ہی سمجھتے تھے، اس لئے محبت شیخ نے اس مقام "مرضیہ" پر جہاں نسبت اور رابطہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم ہے، وہاں محبوبیت عطا فرمائی۔

ایک مرتبہ دربار مقدس میں روئے انور کی طرف حاضر تھا کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی آنکھوں سے دیکھا تو میں نے جماعت کے لئے عرض کیا کہ ان کے لئے شفقت عطا ہو۔ اس وقت شیخ غلام محمد میری بائیں جانب کھڑا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام جماعت کے لئے اس کو ذریعہ بناؤ کر اس کی طرف دیکھا چونکہ یہ حاضر تھا اور اس پر ایک کیفیت انتہا درجہ کا دافر پیدا ہوا، مگر حقیقت سے یہ نادر اتفاق رہا۔ اس کے بعد میرے ہمراہ صلوٰۃ وسلام میں شریک ہوتا رہا بوجہ اسی کیفیت لذت کے۔

حضرت شیخ سے جب سے بیعت کی اس وقت سے حضرت شیخ کا روئے مبارک کبھی بے دضور بکھنا پسند نہیں کیا۔ ہمیشہ با دضو صحیت میں رہا جب اللہ کریم نے سفر جاز نصیب فرمایا تو طبیعت میں احساس ہوا کہ بیت اللہ کا حق اس سے زیادہ ہے، اور کبھی

وہاں بھی بے وضو نہیں رہا۔ اس کے بعد مدینۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری نصیب ہوئی۔ روشنہ اقدس کو بے وضو دیکھنا انتہا درجہ کی بے ادبی تصور کی۔ ہمیشہ با وضو دربار رسالت میں حاضری دی اور روشنہ اقدس کو ہمیشہ با وضو دیکھا۔ اچانک ایک دن کرم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا فضل ربی سے جب میں پیش ہو کر رخ مبارک کی طرف الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا جیب اللہ عرض کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روشنہ اقدس سے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا "عَلَيْكُمُ الْسَّلَامُ مَعَ الصَّدَقِ وَالآمَانِ وَالْمُتَعَانِ يَا وَالغُفرَانِ۔" یہ الفاظ مقدس محفوظ آداب کی درجہ سے نصیب ہوئے۔ مولانا محمد حالم صاحبؒ جو میرے رفیق سفر تھے وہ میری داہنی جانب تھے انہوں نے بھی سئے، اور ان پر یہ کیفیت طاری ہوئی کہ ان کے تمام وجود میں کپکی ہونے لگی۔ روشنہ مقدس سے جب پیچھے ہٹئے جب مجھ سے معلوم کیا کہ آپ کے اوپر کیا کیفیت تھی۔ انہوں نے کہا کہ میری فرحت کا کچھ انتہا نہ رہا کہ میرے مرشد کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات جواب میں فرمائے جو اور پر درج ہو چکے ہیں: تب لقین ہوا کہ یہ کیفیت اور اس کا شاہد ایک عالم باعمل بھی ہے۔

فضل پورا ایک دن دو پھر کے وقت حضرت شیخؒ اور تمام جماعت آرام فرمائتی اور میں حضرت شیخؒ کے ہاتھ پر دبارہ اتھا کہ اچانک حضرت شیخؒ کے اوپر کیفیت منہی کی طاری ہو گئی، اور میں متعلق انتہا محبت کا جوش آیا۔ اس کو رد کنامناسب نہ سمجھا۔ مجھ کو حکم دیا کہ میرے اوپر پاؤں کے ساتھ آجائیں چونکہ اس کو بے ادبی سمجھا اس لئے خاموش رہا۔ حضرت شیخؒ نے مجھے اپنے ہاتھ مبارک سے کھینچ لیا اور اپنے اوپر لے لیا۔ حضرت لیٹے ہوئے تھے مجھے خوب اپنی چھاتی مبارک سے لگا بھینچا۔ اسی حالت میں دراہنی کروٹ اور بائیں کروٹ کی طرف گھومے۔ (جھومنا شروع کیا) منہی کی کیفیت طاری اور انتہائی فیض کا وقت تھا جس کی کیفیت زبان ادا نہیں کر سکتی! الحمد للہ ثم الحمد للہ در سرا واقعہ حاجی کریم سخت صاحب کے مکان فضل پور میں ایک کیفیت حضرت شیخؒ پر منہی کی آئی اور آپ نے ایک احاطہ دیوار کے اندر اندر اچانک درڑ ناشروع

اہ بحمد اللہ حضرت مولانا بقید حیات ہیں اور کشمیر میں مقیم ہیں۔

لہ حضرت قبلہ فضل علی قربی شیخ حسنة اللہ علیہ۔ ۳۵ محمد عبد الماک صدیقی عفی عنہ۔

فرمایا۔ میں بھی پیچھے دوڑا، اور اسی حال میں تمام جماعت دوڑی مگر تمام جماعت تھک کریں کر گئی۔ میں حضرت کے ساتھ ساتھ برا بر دوڑتا رہا۔ جب حضرت شیخؒ نے دوڑنے کی کیفیت کو ختم کیا تو مجھے دیکھا کہ میں حضرت شیخؒ کے ساتھ ہی باقی تھا۔ باقی تمام جماعت سمجھ چکی تھی حضرت شیخؒ بہت خوش اور لشاش ہوئے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ میں روضہ مقدس پاک پر حاضر ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پنگ مبارک پر آرام فرمائیں کہ میں پاؤں مبارک کی طرف اپنے آپ کو دست بستہ کھڑا ہوا پاتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے، معافی اور مصافحہ سے مشرف فرمایا۔ انتہا درجہ کی شفقت کا کلام فرماتے ہوئے ایک کلام بطریق امر فرمایا کہ ”ہر برس تو میرے پاس آیا کر۔“ میں نے جواب میں نے عرض کیا۔ ”حضرت میں مسکین ہوں۔“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دلالوں کو یاتا جروں کو ددنوں میں سے ایک (فقط تھا)، کہہ دوں گا، تو ہر برس آیا کر۔ میں نے عرض کیا۔ ”بہت بہتر چنانچہ سلسلہ ایسا ہی چلتا رہا، اور حاضری نصیب ہوتی رہی۔ ایک مرتبہ مجھے سے یہ غلطی ہوتی کہ ابو جہر ابن عبدالقدار امین عرب معلم نے بمبینی سے بذریعہ خط پیش کش کی مگر میں نے صاف انکار کر دیا غالباً تین مرتبہ اس نے دعوت دی بذریعہ خط، اور اس وقت میں پسونڈہ ضلع میرٹھ میں تھا۔ کرایہ کے لئے رقم میں دیتا ہوں، آپ آئیں۔ مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں رہا تھا۔ اس کے بعد تین چار برس تک عتاب میں رہا۔ بوجہ زاد راہ نہ ہونے کے سبب حاضری نصیب نہ ہوتی۔ فرمان یاد آنے معاافی بارہا طلب کی۔ قدرت نے پھر سے رحمت فرمائی اور حاضری ہوتی شروع ہوتی جو تا حال قائم ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ، اور عتاب سنجات ملی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

پسونڈہ ضلع میرٹھ کے قیام میں مولانا محمد اکبر صاحب اور مولانا محمد اصغر صاحب یہ دو بھائی تھے جو ساکنان کابل تھے اور وہی پڑھنے کی غرض پر آتے تھے۔ مدرسہ امینیہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ڈپی گنج دہلی کی مسجد کے مولانا محمد اکبر صاحب امام تھے۔ جب امینیہ کے بعض مدرسین و طلباء بیعت ہوتے تو یہ بھی بیعت ہوتے۔ ان پر اوراد والہام بکثرت شروع ہوتے۔ میں نے یہ حالات کھر میں بیان کئے۔ اس وقت احمد پوری میری الیہ میں کے ساتھ تھی جو کہ بے اولاد تھی اور ہے، اس نے کہا کہ مولانا سے کہو کہ مراقبہ کرے معلوم ہو جائے کہ آپ کے اولاد ہے کہ نہیں، تو مولانا محمد اکبر صاحب نے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے

مزار مقدس پر اس غرض سے جا کر مراقب ہوتے۔ معاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوا اور دیدار مقدس کے ساتھ کلام کا شرف عطا فرمایا۔ فرمایا تیرے پیر کی اولاد ہیں فاطمہ، کلتوم، محمد عبد الماجد، محمد عبد الواحد۔ جب یہ حال میری اہلیہ احمد پوری نے سناتو اس نے کہا کہ مولانا سے کہو کہ معلوم کریں کہ وہ اولاد مجھ سے ہوگی یا کسی اور سے ہوگی۔ پھر مراقبہ میں مولانا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف کلام نصیب فرمایا۔ مولانا کے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ یہ راز کی بات ہے ہم نہیں بتلاتے۔ چنانچہ سفر ہندوستان ختم ہوا پاکستان بن گیا۔ لیں کچھ ماہ گذرے ہوں گے کہ مجھے ریاست سوات کی دخوت آئی اور ادھر میرے مرشد قبلہ کے گھر سے حکم آیا کہ تم سفر کرو۔ کیونکہ میری والدہ محترمہ کا یہ فرمان تھا۔ فوری سفر کو چلا اور پہنچ کر سلسلہ تبلیغ شروع ہوا کہ مولانا خلیل الرحمن صاحب حق مولانا قبر بابا صاحب کے فرزند مذکور نے پیش کش کی کہ آپ ہماری بہن سے شادی قبول کریں۔ چنانچہ اس سے یہ اولاد پیدا ہوئی۔ فاطمہ، کلتوم، محمد عبد الماجد اور محمد عبد الواحد جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نام رکھئے اور مزید اولاد کے نام میں نے رکھئے۔

اور ایسا ہی ایک واقعہ مولانا حافظ غلام جبیب صاحب کے سلسلے میں مزار مقدس حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ پر مولانا محمد اکبر شاہ صاحب پروردیں آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ صاحب کو فرمایا کہ مولانا حافظ غلام جبیب کو یہ کہہ دو کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے کہ وہ اس کی دینی ترقی میں حاصل ہے اور اس کی دوسری بیوی عقیریب فوت ہو جائے گی اور اس کے بعد دو جگہ سے اس کو رشتہ کی پیش کش ہوگی۔ ایک طرف کی پیش کش قبول نہ کرنا کہ وہ متکبر ہیں اور دوسری طرف کی پیش کش قبول کرنا، یہ عورت و فادر ہوگی اور اس کے اولاد ہوگی۔ ایک کا نام حافظ عبد الرحمن اور دوسرے کا نام عبد الرحیم ہوگا۔ چنانچہ حافظ غلام جبیب صاحب دہلی مجھ سے رخصت ہو کر وطن رکھئے اور یہ سارا واقعہ طلاق ووفات کا پیش آیا اور تیسرا شادی کی، جہاں کے لئے فرمان تھا۔ اولاد پیدا ہوئی جس میں اللہ پاک نے اپنی رحمت سے حافظ عبد الرحمن اور عبد الرحیم بھی دیئے۔ ان کے علاوہ حافظ صاحب کی اور بھی اولاد ہے۔ یہ دونوں حالات مولانا محمد اکبر صاحب کے سختے جو صحیح واقع ہو گئے۔ مولانا محمد اکبر صاحب کے اور پر صحیح حالات بکثرت ہوتے رہتے، اب علم نہیں کہ وہ زندہ ہیں کہ نہیں۔ کیونکہ وہ کابل میں رہتے اور پہان قوم میں ایک عجیب مہلک مرض ہے کہ وہ

خطا نہیں لکھا کرتے، اس لئے کوئی معلومات نہ ہو سکیں کہ زندہ ہیں کہ کیا ہے کافی عرصہ ہوا کہ ان کے بھائی مولانا محمد اصغر صاحب رحمۃ اللہ کے پہلے سفر کے دوران ملے اور کہتے تھے کہ میرے بھائی مولانا اکبر شاہ صاحب درسِ حدیث شریف پڑھاتے ہیں۔ درس کے دوران جب آپ یاد آتے ہیں تو روئے روئے درس بند کر کے اندر چلے جاتے ہیں۔ محبت کا یہ عالم ہے اور اطلاع عرض کے لئے دہ پٹھانوں والا مرض غالب ہے۔ محبت مولانا کو دری گئے زمانے سے انتہائی بھتی کمی آدمیوں کے ذریعہ مجھے کو نکھلوا یا اُن حضرت کابل کی دعوت قبول کریں۔ میری بہن جو اس وقت موجود ہے دہ حضرت صاحب کو نکاح دوں گا۔ میں نے انکار کیا کہ شادیوں کا میں نہ طالب ہوں نہ کروں گا۔

حج مبارک سنہ ۱۳۸۹ھ

الحمد للہ ثم الحمد للہ اس مرتبہ حاضری دربار محبوب کبریا کی نصیب ہوئی۔ پھر وہی سابقہ شفقت کی کیفیت عطا ہوئی جس کی وجہ سے تمام سفر کا تھکان ختم ہوا اور قبولیت پر عجیب قسم کی بشارتیں نصیب ہوئیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہوا، میدانِ عرفات میں الوہیت سے بے انتہا شفقت کا القار کے ذریعہ اور طواف میں مفترت کی بشارتیں نصیب ہوئیں جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اللہ کریم نے اپنے فضل سے اس سفر کو مقبول فرمایا۔ چونکہ یہ سفر حج امام انبیاء و مصلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھا جس کا صلحہ اللہ کریم نے یہ عطا فرمایا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

حج اکبر سنہ ۱۳۹۰ھ

اس مرتبہ چونکہ میں نے حج مبارک میں خانہ کعبہ کی حاضری سے قبل ہی دربار صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری کو مقدم کیا تو جدہ مبارک سے روانگی کے وقت میں ایک عجیب طرح کی شفقت نمودار رہی جحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اپنے کسی عزیز کو بغل گیر کیا کرتے ہیں اسی طرح کی حالت بار بار ہوتی رہی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

بعد واپسی حج مبارک سنہ ۱۳۹۱ھ

آج سے اندازاً اچھا ماہ قبیل ایک ایسی کیفیت در پیش آئی کہ جسد زمین پر رہا اور

درج پرداز کر کے آسمان کی طرف جا کر نصف چرخی انوار سے منور ہو کر گھومتا نظر آتا تھا فیضان الہیہ کی شعاعیں محبیط کرنے پر گویا معمور نظر آتی تھیں۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید وہ مقام ہو گا جو کہ حضرت شیخؒ سے ایک دن ایک شخص نے استخارہ کا اظہار فرمایا تھا استخارہ یہ تھا کہ شخص مذکور نے اپنی قسمت کی تقسیم کی معلومات چاہی بھتی کہ حضرت خواجہ غوثان صاحب دامانیؒ استخارہ کے اندر معلوم ہوئے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ تیری قسمت قریشی صاحب کے سینے میں ہے جن کو منشی صاحب بھی کہا جاتا ہے، جن کو اللہ کریم نے دو قطب عطا فرمائے ہیں ایک لیسار اور ایک بیمن۔ اس شخص نے استخارہ کا حال حضرت شیخؒ سے ظاہر فرمایا تھا، بھتیں اور لیسار کے نام لئے۔ لیسا رسیں ہیرا نام حضرت شیخؒ نے فرمایا اور بیمن میں ایک اور عالم یا عمل جو میرے پیر بھائی تھے ان کا اسم مبارک ظاہر فرمایا۔ اللہ کریم جانتے ہیں کہ واقعہ اس مرتبہ پر فائز معلوم ہوتا تھا، واللہ اعلم۔ اور یہ عالم فقط بلندی کے اعتبار سے ایک آسمان تک رسائی محدود و نہیں معلوم ہوتی بھتی بلکہ بعض وقت ہر شش مقدس تک بعض وقت کم و بیش بلندی معلوم ہوتی بھتی۔ اس حال میں فیضان الہیہ دور تک محبیط ہوتے نظر آتے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ کریم ان واقعات کی برکات سے آخرت بہترین نصیب فرمائے۔ آینہ تم میں

صلیقی عفی عنہ

میسر حالات رو رحمہ مقام انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کے ساتھ وہ تمام کتب خانہ شیخ رحمۃ اللہ کے ساتھ مولوی محمد حنفیؒ صاحب کے ہاتھ میں آئے۔ ان کی تعبیرات ان کو نہ آئی، انہوں نے ان کو تلف نہ کر دیا۔ *إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ*
اگر یہ تلف نہ ہوتے تو تعبیرات کے ساتھ جمع کئے جاتے اور آئندہ سالکین کے لئے مفید ثابت ہوتے۔ وہ حضرت شیخؒ کے مصدقة تھے۔

صلیقی عفی عنہ

محمد عبد الملک صدیقی عفی عنہ

لہ بعد وصال شیخؒ ۲۵ نوامبر شیخؒ تھے اور مولانا غلام اسد خاں صاحب کے شاگرد تھے۔
۳۵ کیونکہ وہ مرد دردیت کی طرف مائل تھے۔

ازدواجی زندگی

میری شادی غالباً ۱۶ سال کی عمر میں میرے چھپا کی لڑکی مساۃ زینب سے ہوئی، جن سے ۶ یا ۷ بچیاں ہوئیں ان میں سے صرف دو بالغ ہو کر شدہ ہوئیں اور بعد میں وفات پا گئیں۔ صرف ایک لڑکی کے بچہ ہوا تھا وہ زچھی میں شہادت پا گئیں۔ دوسری لڑکی شادی کے بعد وفات پا گئیں۔ دیگر تمام لڑکیاں عالم طفولیت میں وفات پا گئیں۔ ان کی وفات کے بعد پھر دوسری شادی احمد پور شرقیہ میں مساۃ زیب النساء بگم سے ہوئی جو میرے بہنوئی کی بہن کی لڑکی ہے تا دم تحریر نقبید حیات ہیں مگر ان سے اللہ کریم نے کوئی اولاد نہیں دی۔

تیسرا شادی ریاست سوات مقام کا ٹیلی، اب اس کا نام امان کوٹ ہے۔ عبدالحليم صاحب مرحوم کی بیٹی سے ہوئی (مولانا دیوبند کے فارغ التحصیل تھے) ان سے اللہ کریم نے آٹھ لڑکیاں اور دو صاحزادے عطا فرمائے۔

- ۱- فاطمہ بی بی (شادی شدہ)
- ۲- کلثوم بی بی (شادی شدہ)
- ۳- عائشہ بی بی (شادی شدہ)
- ۴- (خدیجہ) خطیبہ بی بی۔ عالم طفولیت میں انتقال کر گئیں۔
- ۵- رقیہ بی بی۔
- ۶- حفصہ بی بی
- ۷- خواجہ محمد عبد الماجد سلمہ الرحمن
- ۸- ماجدہ بی بی۔
- ۹- زینب بی بی
- ۱۰- خواجہ محمد عبد الواحد سلمہ الرحمن۔

تجلیاتِ رشیدیہ

حصہ ۵ / ۶

آپ کا اسم شریف عبدالرشید ہے۔

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبدالمجید تھا۔

آپ کی والدہ محترمہ کا نامِ نامی محمد النصار تھا۔

آپ عربی انسل ہیں، قبیلہ قریش کی شاخ بنی قصیٰ سے ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد عہدشاہ بھائی ۱۴۳۲ء میں عرب سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ آپ کے سات بھائی اور ایک بہن ہے۔ آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑے ہیں۔ آپ کے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ آپ کا گھر ان تمام قبیلے میں ممتاز درجہ رکھتا ہے۔ آپ کے بھائی مختلف کار و بار کرتے ہیں، اور سب مأشبہ اللہ متمول ہیں۔ آپ اپنے بھائیوں کا کھاتہ کرتے ہیں۔ آپ کی ولادت با سعادت ۱۹۰۱ء میں دہلی میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم درس زینت الاسلام، قصاب پورہ (قریش نگ) میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے قرآن کریم حفظ کیا اور علوم دینیہ کی تحصیل کی۔ آپ نے اپنے زمانے کے ممتاز علماء سے استفادہ کیا۔ حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب دہلوی، حضرت مولانا نور الدین صا بہاری، نے آپ کو بہت متاثر کیا۔ آج بھی آپ کے مواعظ حسنة میں حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ کچھن سے ہی علماء کی صحبتوں میں رہے۔ آپ جمعہ کی نماز ہمیشہ جامع مسجد میں ادا فرماتے تھے، اور پھر نماز سے فارغ ہو کر حضرت مولانا مولوی اسحاق صاحب دہلوی کے وعظات میں جایا کرتے تھے۔

ایک جمعہ میں آپ نے جامع مسجد میں دو بزرگوں کو دیکھا جو جامع مسجد کے شمالی دروازے کے برابر والے دالانوں میں مراقب تھے۔ ان بزرگوں کے ساتھ اور

بھی بہت سے لوگ تھے جن میں زیادہ تعداد افغانوں کی تھی۔ آپ کافی دیر تک کھڑے ان لوگوں کا جائزہ لیتے رہے اور پھر ڈھونگی سمجھ کر مدرسہ حسینیہ میں وعظ سننے چلے گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ دونوں بزرگ نقشبندی سلسلے کے پیروکار اور کتاب و سنت کے حامل ہیں شرک و بدعت سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں اور یہ سب لوگ جوان کے حلقے میں بیٹھے تھے، سب ان کے مرید ہیں۔ ان میں ایک بزرگ بانام نامی اسم گرامی حضرت مولانا مولیٰ محمد عبدالمالک صاحب اور دوسرے بزرگ جو کہ ان کے پیر بھائی ہیں ان کا اسم گرامی حضرت مولانا مولیٰ محمد سعید ہے۔

تقریباً ایک سال بعد مولانا نور محمد صاحب جو کہ دوستوں میں سے تھے، بوئے کہ ایک بزرگ آئے ہیں ان سے ملنے چلو گے ہی آپ نے فرمایا کہ بزرگوں سے ملتا تو عین سعادت ہے ضرور چلیں گے۔ لہذا آپ اور مولانا مولیٰ نور محمد صاحب دونوں صدر بازارِ ہلیٰ کے ایک محلے ڈپی گنج پہنچے۔ اس محلے میں پہلے ہندو اور مسلمانوں کی مشترکہ آبادی تھی۔ اس محلے میں دو مسجدیں تھیں محلے کے جنوبی حصہ میں۔ اس محلے کی شمالی جانب محلہ کشن گنج اور جنوب میں محلہ قصاب پورہ تھا۔ ۱۹۸۷ء میں ڈپی گنج کی اندر ورنی مسجد جو بہت خوب صورت بنی ہوئی تھی، وہاں کے مقامی رہنے والوں نے شہید کر دی۔ اب اس مسجد پر لکڑی کی ایک ٹال بنی ہوئی ہے۔ مسجد میں گئے، دیکھا دہی جامع مسجد والے بزرگ حضرت مولانا مولیٰ محمد عبدالمالک صاحب ہیں۔ ہری نورانی محفل تھی، بہت سے لوگ وہاں موجود تھے۔ عشاہر کی نماز کے بعد مراقبہ ہوا۔ مراقبہ سے قبل مراقبہ کی غرض و غایت اور طریقہ بتایا گیا۔ آپ نے بھی سنا پھر گھر آگئے مگر اب آپ کا پہلا جیسا تاثر نہ رہا تھا۔ حضرت قبلہ مولیٰ محمد عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ بھی پھر درہلی سے تشریف لے گئے۔

ایک سال بعد آپ پھر تشریف لائے۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت تشریف لائے ہیں اور میں عرض کر رہا ہوں کہ حضرت مجھے بھی بیعت کر لیجئے گا مگر حضرت شیخ نے فرمایا کہ پہلے پر کچھ لو جلدی کیا ہے، بیعت کر لیں گے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ پھر میری آنکھ کھل گئی۔ تہجد کا وقت تھا اور آپ مسجد گڑھیاوالی میں تشریف لے آئے۔ نماز فجر کے بعد مولانا نور محمد صاحب نے بتایا کہ حضرت قبلہ شیخ پھر تشریف لائے ہیں، چلو گے۔ آپ نے چلنے پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔ کھانا وغیرہ کھا کر ظہر کے وقت مولانا نور محمد صاحب اور

محمد خورشید صاحب تینوں کو چہ رحمن گھنٹہ بھر سنبھلے، اور حضرت قبلہ شیخ کا قیام حوضِ دالی مسجد میں تھا۔ حضرت دیکھ کر بہت خندہ پیشانی سے ملے، خیریت دریافت کی اور پھر ذکر اللہ کی محفل گرم ہو گئی۔ پھر آپ نے حضرت قبلہ سے بیعت کے لئے فرمایا۔ حضرت نے وہی خواب دارے جملے ارشاد فرمائے۔ بس پھر کیا تھا آپ تڑپ ملے، اور پھر آپ نے بیعت فرمائی۔ حضرت قبلہ شیخ نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کی تلقین کی، اور پھر دو چار دن کے بعد حضرت قبلہ شیخ دہلی سے تشریف لے گئے۔

ایک دن آپ نے خواب دیکھا کہ مدرسہ حسینیہ میں حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب دعی و عطا فرمائے ہیں، ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہے۔ وعظِ ختم ہونے پر ایک بزرگ آئے اور حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب سے فرمایا کہ بھائی تمہارا یہ شاگرد عبدالرشید مرید ہو گیا ہے اور مزارات پر جانے لگا ہے۔ میں نے ادب اعرض کیا حضرت آپ عالم دین اور مفتی ہیں، کیا مزارات پر جانا منع ہے۔ ان بزرگ نے مسکرا کے فرمایا کہ میاں میں کب کہہ رہا ہوں کہ قبروں پر جانا منع ہے میں تو اپنے بھائی کو تبارہ ہوں۔ (یہ بزرگ جو خواب میں آئے حضرت مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب تھے جو اپنے زمانے کے زبردست جید عالم تھے اور حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب کے بڑے بھائی تھے) اس کے بعد آپ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ خواب پر غور کرتے رہے اور پھر ذہن سے خواب ہو گیا۔ جمعہ کے دن حسبِ معمول آپ جامع مسجد گئے، وہاں نماز جمعہ ادا کر کے وعظ سننے گئے۔ وعظ کے بعد حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عبدالرشید کیا تو کسی کا مرید ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ حضرت مولانا نے پوچھا کہ کس کا مرید ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا حضرت مولانا مولوی محمد عبدالمالک صاحب کا، اور پھر ان کا غالباً تعارف کرایا۔ حضرت مولانا مولوی محمد اسحاق صاحب یہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ تو کسی بنتی کے باختہ پر بیعت ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت آپ مطمن ہیں میں آپ کی محنت کو ضائع نہیں کروں گا۔

تقریباً ایک سال بعد حضرت قبلہ مرشد مولانا مولوی محمد عبدالمالک صاحب پھر تشریف لائے۔ آپ پھر ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت قبلہ شیخ نے خیریت دیافت کی۔ آپ نے نرم آواز سے گردن جھکتا کر کہا۔ جی ہاں حضرت جی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے سب خیریت ہے۔ حضرت قبلہ شیخ نے فرمایا کہ حافظ صاحب جو ہم سے دور رہتا ہے

ہم اس سے دور رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ حضرت قبلہ شیخ کا مجھے تیر کی طرح لگا اور پھر مجھے حضرت شیخ سے ایسا اُنس ہوا کہ تھوڑی جداں بھی شاق گذرتی تھی۔

اب کی بار حضرت قبلہ شیخ نے یہیں رہنے کا رادہ فرمایا اور تکیہ والی مسجد پونڈے میں رہنے لگے۔ آپ کو جب بھی اپنے کاموں سے قرصن ملتی آپ سیدھے پونڈے چلتے جاتے۔ اس طرح آپ نے راہ سلوک کی منزیلیں بہت جلدی کر لیں۔

ایک روز آپ عید کی نماز پڑھ کر حضرت قبلہ شیخ سے ملنے پونڈے تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت قبلہ شیخ گاؤں میں تشریف لے گئے ہیں اور فرمائے ہیں کہ دہلی دارے حافظ صاحب آئیں تو انہیں یہیں مدرسہ میں روکے رکھیں۔ آپ مدرسہ میں حضرت قبلہ شیخ کا انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت قبلہ شیخ تشریف لے آئے۔ دیکھ کر بہت خوش ہوئے، فرمانے لگے کہ حافظ صاحب جو کچھ میں دوں گا، لوگے۔ آپ نے کہا کہ حضرت بخلافہ کون بد نصیب ہو گا کہ آپ دیں اور وہ نہ لے۔ اسی طرح آپ نے تین بار اقرار لیا، پھر فرمایا کہ میں تجھے خلافت دنیا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت میں خلافت کے لاائق نہیں۔ حضرت فرمانے لگے کہ تو اقرار کر جکا ہے انکا رہنیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت میں بہت مصروف آدمی ہوں میں ان باتوں کو نہیں بجا سکتا۔ مگر حضرت قبلہ شیخ نہیں مانے۔ مورخ یکم شوال المکرم ۱۳۶۳ھ بعد نماز ظہر خلافت نامہ تحریری طور عطا فرمایا اور خلق اللہ کی خدمت کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

خلافت نامہ ملنے سے قبل شاید ۱۹۳۹ء کی بات ہے کہ آپ حضرت قبلہ شیخ کے ہمراہ سفر میں تھے جب سرہند شریف پہنچے تو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؓ کے فزار پر مراقبہ کیا۔ مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ ایک نورانی مجلس ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے بزرگ بیٹھے ہیں اور ایک شمع فروزان ہے۔ ایک بزرگ نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ تم بھی اس شمع سے اپنی شمع جلاو۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک شمع لے کر آگے بڑھا۔ ابھی تھوڑا ہی آگے بڑھا تھا کہ ایک دوسرے بزرگ سامنے آئے اور فرمایا کہ تم اپنی جگہ بیٹھو۔ آپ پھر واپس آگئے۔ پہلے والے بزرگ بولے کہ تم نے شمع نہیں جلانی۔ میں نے کہا کہ ایک بزرگ صاحب نے منع کر دیا۔ وہ بزرگ بولے کہ نہیں تم جاؤ اور شمع جلاو۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں پھر گیا۔ پھر ان بزرگ نے منع کر دیا، اور میں اپنی جگہ آبیٹھا۔ پہلے والے بزرگ پھر بولے کہ کیوں نہیں جلانی۔ میں نے کہا کہ دوسرے بزرگ منع فرمائے ہیں۔ پہلے بزرگ بولے کہ چلو جلواد اپنی

شمع۔ آپ پھر تشریف لے گئے۔ ان بزرگ نے پھر وہ کاپہلے بزرگ بولے کہ آپ شمع کیوں نہیں جلانے دیتے کیا چراغ سے چراغ جلتا نہیں آیا۔ اب دوسرا بزرگ خاموش ہو گئے اور مجھے شمع جلانے کی اجازت دی۔ میں شمع جلا کر اپنی جگہ واپس آگیا۔ اتنے میں حضرت قبلہ شیخ نے دعا فرمائی۔ آپ نے مراقبہ میں ہوئے اس واقعہ کا حضرت قبلہ شیخ سے ذکر کیا جحضرت قبلہ شیخ سن کر خوش ہوئے اور کسی سے ذکر نہ کرنے کا حکم فرمایا۔

دہاں سے ہو کر حضرت خواجہ معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات کے یہاں حاضری دی۔ سب جگہ سے مجھے نوازا گیا۔ اس سفر میں بڑا کیف آیا اور بڑی بڑی محیر العقول چیزیں دیکھنے اور سننے کو ملیں۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت قبلہ شیخ نے آپ کو خلافت سے نوازا۔

ایک روز آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا پر فزان مقام ہے، ہر طرف ہر یاں ہے فضاؤں میں خوبصورتی ہوئی ہے۔ پرندے خوش الماحافی سے ترانے کا رہے ہیں، درخت جھوم رہے ہیں۔ بہت ہی حسین منظر تھا کہ ایک ندا آئی کہ عبدالرشید سامنے احاطہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرمائیں۔ آپ آگے بڑھے دیکھا ایک احاطہ ہے اور احاطہ میں تقریباً تین چار قطع اور بخشی دیواریں ہیں اور احاطہ میں سے خوبصورتی ہوئی ہے۔ آپ احاطہ میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک بزرگ بیٹھے ہیں، بے پناہ انوار دبرکات کا نزول ہو رہا ہے۔ آپ جھوک کر بھڑکے ہو گئے۔ مرد بزرگ نے نہایت محبت بھرے الفاظ میں پکارا۔ عبدالرشید آگے آمد۔ آپ آگے بڑھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا اور با ادب دو زانو بیٹھے گئے۔ آقائے ناما علی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دنا کرو اس سے پہلے اور بعد میں درود تشریف پڑھا کرو۔ آپ نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ میں ایسا ہی کرتا ہوں۔ اتنے میں آپ کی آنکھ کھل گئی۔ تہجد کا وقت ہو گیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرا کمرہ خوبصورتے معطر ہو رہا تھا۔ آنکھ کے کھل جانے پر مجھے بہت افسوس ہوا کہ کاش! میں کچھ اور ارشادات خالیہ سنتا ام۔

مستفید ہوتا رہتا۔

آپ کو خلافت ملنے کا بھی تک کسی کو علم نہ تھا۔ ایک روز آپ پسونڈے تشریف لے گئے۔ دہاں گاؤں میں ایک صاحب تھے، نام تو مجھے معلوم نہیں کیا تھا مگر سب گاؤں کے انہیں قطب صاحب کہتے تھے اور یہ اسی نام سے مشبور تھے۔ قطب صاحب فرمائے کہ حافظ صاحب چپکے چپکے دلی کے قطب ہو گئے اور انہوں نے تمام یہ بھائیوں سے

سے کہا کہ حضرت قبلہ شیخ نے حافظ صاحب کو دلی کی قطبیت سونپ دی ہے اور آپ کو تحریری طور پر خلافت عطا کی ہے، جبکہ دوسرے خلفاء کو صرف زبانی خلافت عطا فرمائی ہے۔ اس طرح مجھے سب سے روشناس کر دیا۔

آپ نے فرمایا کہ اب میراروزانہ کامعمول ہو گیا تھا کہ اپنے بھرے قریب مسجد گڑھیاں میں عشا کی نماز کے بعد ختم خواجگان اور مراقبہ کرتا تھا اور اس میں بچے اور بڑے بہت سے لوگ شامل ہوتے تھے۔ ایک دناتفاقاً آپ کی تسبیح غائب ہو گئی۔ آپ نے مولانا نور محمد صاحب کے بھائی حافظ محمد عثمان صاحب سے کہا کہ حافظ صاحب تمہاری مسجد والوں نے میری تسبیح غائب کر دی، یہ کچھ اچھی بات نہیں ہے۔ اتنے میں ایک آواز آئی کہ حضرت! تسبیح آپ کے پیچھے رکھی ہے۔ دیکھا تو تسبیح موجود تھی۔ اس واقعہ کے بعد حافظ محمد عثمان صاحب نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دوسرے دن فجر سے پہلے مسجد میں آپ ایکلے تھے آواز آئی، حضرت جی! ہم بھی آپ کی محفل میں آنا چاہتے ہیں اور بیعت ہونا چاہتے ہیں مگر آپ کی محفل میں کچھ بچے بھی آتے ہیں اور ان کی رتک خارج ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ہم شامل نہیں ہو سکتے۔ برائے کرم آپ مراقبہ کے وقت بچوں کو باہر بٹھا دیا کیجھے۔ آپ نے کہا بہت اچھا۔ انسانوں میں سب سے پہلے حافظ محمد عثمان صاحب بیعت ہوئے اور ان کے بعد مسجد میں رہنے والے قوم جنات میں سے دو جن سلسلہ نقشبندیہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ یہ دونوں جن انسانی شکلوں میں آپ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ اس کے بعد آپ کے سلسلہ نقشبندیہ میں الحمد للہ بہت سے حضرات بیعت ہوئے اور یہ سلسلہ آج تک حیاری سہے۔

۱۹۴۰ء میں ہندوستان انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا اور پھر ملک کا بٹوارہ ہوا سینیکرڈل بندگان خدا اس خوفی انقلاب میں بہہ گئے۔ ہر طرف مار دھارہ ہو رہی تھی، دلی بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکی کسی کا جان و مال محفوظ نہ تھا۔ قومی حکومت نا جرز تھی۔ محلے کے محلے تباہ و بر باد کئے جا رہے تھے۔ آخر مدرسی فوج بلا فیکری کر فیصل جاری تھا، مارشل لار لگا دیا گیا، فوجی جسے بھی باہر دیکھتے گوئی سے ہلاک کر دیتے تھے مگر آپ کو کوئی پرواہ نہ تھی اور آپ بھر سے مسجد تک اور پھر محلے میں گشت لگاتے پھرتے تھے اور کچھ پڑھ پڑھ کر بچوں نکتے رہتے تھے۔ مسجد میں ایک لاکھ مرتبہ آیت کریمہ کا ختم شریف روزانہ ہوتا تھا، اس کے بعد آپ اجتماعی طور پر دعا کرتے تھے۔ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ

نے اس محلے کو محفوظ رکھا، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ کوئی فوجی آپ پر گولی نہ چلاتا تھا بلکہ احترام سے سلام کرتا تھا، اور ایک مدرسی نے اس دور میں قبول اسلام کیا، اس کا نام ابو بکر رکھا گیا۔ مدرس ملٹری بڑی دیر تک کھڑای ابو بکر سے باتیں کرتی رہتی، اور بعد میں یہ ہوا کہ محلہ قصاب پورہ کے لوگ محلے میں آزادانہ گھومتے پھرتے تھے ملٹری کی تواضع کرتے اور ملٹری والے ان کی مدد کرتے۔ ایک بار پورے محلے کی سختی کے ساتھ تلاشی لی گئی۔ آپ نے مسجد کی چھت پر کھڑے ہو کر کچھ پڑھا اور تالیاں بجا یہیں۔ پورے محلے کی تلاشی ہوئی مگر ایک معوری سے یہیں کی پتی بھی برآمد نہ ہوئی۔ بھر محلے کے کنوں کی تلاشی لی کہ شاید کنوں میں اسلحہ نہ پھینک دیا گیا ہو، مگر الحمد للہ کنوں میں سے بھی کچھ نہ نکلا۔ آخر پولیس آفیسر جو تلاشی لے رہا تھا یولاکہ یار دیہ تو بتاؤ کہ وہ فوج تم نے یہاں پھیپا کھی ہے جو سچ راتوں کو محلے کے ارد گرد بکھی گئی ہے۔ میر محلہ جوان کے ساتھ تھے، بوئے، جاہ آپ دیکھ لیجئے ہماری حفاظت تو خدا کر رہا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے محلے میں بچھنے تھا صرف بزرگوں کی دعا تھی اور وہ اپنے فرشتے بھیج کر مدد کر رہا تھا۔

بڑی مسجد محلہ قصاب پورہ میں آپ کے استادِ محترم جناب حافظ عبدالکریم صاحب کے صاحبزادے حافظ احمد صاحب قرآن کریم کی تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ ضعیف العمر تھے اس لئے تفسیر میں نافعہ زیادہ کرتے تھے اور ذرگوں کا سنتہ کا اشتیاق زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ ایک روز حاجی زین العابدین صاحب شیر فردش آپ کو گڑھیا والی مسجد سے بڑی مسجد میں لے آئے، اور پھر آپ نے یہاں پر باقاعدہ مسائل فقة اور تفسیر قرآن بیان کرنا شروع کر دی۔ لوگ جو ق در جو ق آپ کے حلقة میں داخل ہونے لگے اور آپ رشد و مداریت میں منہمک ہو گئے، اور الحمد للہ آپ آج تک وعظ و نصیحت تلقین ذکر اللہ کے فرائض انعام دے رہے ہیں۔

ایک روز حافظ پیر جی بشیر صاحب نے خواب میں دیکھا کہ پنچھی پر بڑے بڑے بزرگوں کی ایک جماعت بیٹھی ہے، امام کا انتظام ہے کہ امام صاحب تشریف لا میں توجہ اس کھڑی ہو۔ اتنے میں ایک بزرگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت حافظ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر مصلی پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ نماز پڑھاؤ۔ آپ نے نماز پڑھائی، اور پھر آپ نے دعا کرانی۔ دعا میں بڑی گریدہ دزار می تھی۔ اتنے میں پیر جی بشیر صاحب کی آنکھ کھل گئی۔ فخر کا وقت تھا۔ وہ مسجد میں آئے اور پھر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

۱۹۴۰ء کے فسادات میں آپ کے پیر مرشد حضرت قبلہ مولانا مولوی محمد عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لے گئے۔ جب ہر طرف امن و امان ہو گیا، پاسپورٹ سسٹم نافذ ہوا اور ہندوستان کی جماعت نے حضرت قبلہ شیخ توہینہ دستان بلا نے کے لئے خطوط لکھے، تو حضرت قبلہ شیخ دہلی تشریف لائے اور ہندوستان کے مختلف حصوں کا دروازہ فرمایا۔ آپ بھی حضرت قبلہ شیخ کے بمراہ تھے۔ دروان سفر بجنور میں حضرت قبلہ شیخ کے پاس پچھے لوگ بیعت ہونے کے لئے آئے۔ ان میں سے ایک شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے بیعت کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت قبلہ شیخ موجود ہیں میں ان کی موجودگی میں بیعت نہیں آرسکتا۔ وہ شخص بولا کہ مجھے تو خواب ہیں آپ کی شکل دکھانی کئی ہے اور حکم ملا ہے کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر دیں میگر آپ نے اس شخص کو بیعت نہیں کیا۔ وہ شخص بھی باوجود آپ کے فرمانے کے حضرت قبلہ شیخ کے ہاتھ پر بیعت نہ ہوا اور واپس چلا گیا، اور بھی بہت سے واقعات اس سفر میں پیش آئے۔

۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ آپ کے والد ماجد چودھری عبدالمجید صاحب نور اللہ مرقدہ مع چھوٹے صاحبزادے حافظ صدر الدین عرف شدن اور اہلیہ محترمہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اور بھی لوگ تھے۔ اثنائے سفر بحری جہاز میں حافظ صدر الدین صاحب کو چکر آگئے اور نڈھاں ہو گئے۔ نماز پڑھنے کی ہمت تک نہ رہی۔ حافظ صاحب کا بیان ہے کہ آپ جہاز میں تشریف لائے اور فرمایا کہ شدن، کھڑا ہو۔ نماز نہیں پڑھے گا۔ میں کہم ہو گیا میگر آپ جا چکے تھے۔ پھر میں نے نماز ادا کی۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم لوگ طراف کعبہ کر رہے ہیں تو کہ میں نے دیکھا آپ ہم سے آگے آگے جا رہے ہیں میں نے دالد صاحب اور دوسرے ساتھیوں کو دکھایا۔ ہم جلدی جلدی آپ کے قریب پہنچے میگر پھر آپ آنکھوں سے اوچھل ہو گئے۔ بس پھر میرے والد صاحب نے بیت اللہ تشریف کا پردہ پکڑا کر دعا کی کہ اے رب کعبہ جب تو میسے کریمے کو خفیہ حج کرا رہا ہے تو نظاہر بھی کرا دے۔ اس کے بعد والد صاحب مع ساتھیوں کے واپس آئے تو انہوں نے بی حالات بیان کئے، اور دوسرے لوگوں نے بھی تصدیق کی۔

کراچی پاکستان میں آپ کے بڑے صاحبزادے محمد یونس صاحب (جو کہ بچپن سے ہی اپنے نانا جناب حاجی استاد گلن صاحب کے پاس ہی رہتے تھے اور انہیں کے ساتھ ۱۹۴۱ء میں پاکستان چلے گئے تھے) کی خبر آئی کہ وہ سخت بیمار ہیں اور وہاں کے فوجی

ہسپیاں میں داخل ہیں، پیسے کی طرف سے پریشانی ہے۔ آپ نے اپنے مرشد حضرت قبلہ شیخ کو تحریر فرمایا اور دعا کی درخواست کی حضرت قبلہ شیخ خانیوال سے کراچی تشریف لے گئے اور معلومات کر کے ہسپیاں تشریف لے گئے۔ پہلے حضرت قبلہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے صحت کے لئے دعا فرمائی، اور پھر آپ کے خسر جناب حاجی استاد کلن صاحب کو مبلغ پانچ سورپے عنایت فرمائے۔ خدا کی شان چند ہی دن میں شفا ہو گئی۔ اس کے بعد محمد یونس صاحب نے کار و پار شروع کیا۔ الحمد للہ کام اچھے پیمانہ پر چلا اور دیکھتے ہی دیکھتے کایا کلب پ ہو گئی۔ محمد یونس نے آپ کے یاس رقم بھیجی اور تحریر فرمایا کہ آپ حج بیت اللہ تشریف کے لئے اس روپے سے حج فرمائیں۔ اس طرح آپ نے پہلا حج ۱۹۵۹ء میں ادا فرمایا جو کہ آپ کے صاحبزادے محمد یونس صاحب نے کرایا۔ اس کے بعد آپ نے تادم تحریر دو حج اور ادا کئے۔ ایک ۱۹۶۲ء میں اور دوسرا ۱۹۶۷ء میں۔ ان تینوں جوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات سے بے حد نوازا۔ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین سے ملاقاتیں ہوئیں اور سب ہی کی طرف سے بہت نواز آگیا۔

ہمارے محلے میں ایک صاحب رہتے تھے، بابو لشت کی بیٹھک میں ہاتھ کے نیکھے بیچا کرتے تھے۔ ایک بار وہ دہلی سے مال بیچ کر اپنے گاؤں گئے، رقم کافی پاس کھتھی، اسٹیشن سے گاؤں ایک یاد میل کے فاصلے پر تھا۔ رات کا وقت تھا۔ یہ اسٹیشن سے اتر کر گاؤں روانہ ہوئے۔ راستے میں لیٹرے بدمعاشوں نے انہیں پکڑ لیا اور چاقو نکال کر کہا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے ہمارے حوالے کر۔ یہ صاحب اکیلے تھے اور لیٹرے کھی تھے۔ یہ بہت پریشان تھے کہ کیا دیکھتے ہیں سامنے سے آپ تشریف لا رہے ہیں اور چہرے سے جلال ظاہر ہے۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت مجھے بچاؤ۔ آپ بڑھے، اور بدمعاش اسے چھوڑ کر ایسے بھاگے کہ پھر کر کبھی نہ دیکھا۔ وہ شخص پیٹ کر دیکھتا ہے کہ آپ غائب ہیں وہ اپنے گھر پہنچا۔ جب وہ دہلی آیا تو اس نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا، اور انہیں بیعت کرایا۔

ایک بار حاجی محمد نیشن خاں صاحب کے ایک مرید محمد عباس صاحب اپنے مرشد حضرت حاجی محمد نیشن خاں صاحب کے ہمراہ آپ سے ملنے تشریف لائے، اور آپ سے فرمایا کہ حضرت صاحب میں حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنا چاہتا ہوں، آپ میری ملاقات کرادی تھے۔ جمعہ کا دن تھا جمعہ کی نماز کے بعد پوری

جماعت آپ کے ساتھ درگاہ تشریف حضرت خواجہ بانی باللہ رحمۃ اللہ علیہ پہنچی اور وہاں مراقبہ ہوا، اور مراقبے میں جناب عباس صاحب بنی اے، ایل. بنی کی ملاقات حضرت خواجہ صاحب سے ہوئی۔

ایک بار ہم لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت ہماری تمنا ہے کہ کل فجر کی نماز جامع مسجد میں ادا کر کے بازار چتیلی قبر پر واقع درگاہ تشریف حضرت مزامظہر جانجہان شہید کے یہاں حاضری دیں۔ لہذا حضرت صاحب نے اجازت مرحمت فرمائی۔ لہذا تہجد کی کی نماز پڑھ کر جامع مسجد پہنچے، وہاں سے درگاہ شاہ ابوالنجیر صاحب پہنچے۔ حضرت نے مراقبہ کرایا۔ رفیع الدین صاحب جو کہ ہمارے پیر بھائی ہیں، انہوں نے حالت مراقبہ میں دیکھا کہ چاروں بزرگ ایک جگہ موجود ہیں، حضرت مزما صاحب فرمانے لگے کہ ان میں کچھ لوگ نئے ہیں اور کچھ پرانے آنے والے ہیں۔ انہیں دود داشٹ فیاں دی جائیں ووھ بزرگ شاہ سعید صاحب فرمانے لگے کہ کچھ اضافہ کیا جائے۔ پہلے تواضع میں پان پیش کئے گئے اور پھر دو تھا لیوں میں امشٹ فیاں عطا کی گئیں۔ سب حضرات بہت خوش ہوئے۔ اتنے میں حضرت صاحب نے دعا فرمائی۔

ایک بار آگرہ آپ کے ساتھ جماعت گئی۔ جب تاج محل پہنچے اور حضرت شہاب الدین شاہ بھاں رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور مراقبہ کیا۔ حضرت شاہ بھاں مراقبے میں تشریف لائے اور فرمایا کہ آپ کے آنے سے ہمیں خوشی ہوئی، لوگ آتے ہیں مگر اس طرح نہیں جیسے آپ آتے اور الطاف خسردانہ سے نوازا۔ وہاں بڑی کیفیت آئی۔

ایک بار ہم لوگ مس رہنڈ تشریف آپ کے ہمراہ گئے۔ سارے دن وہاں رہے۔ رات کو لیاقت الدین صاحب اور راقم الحروف نے اجازت چاہی کہ حضرت ہمیں وہی جانے کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ آپ نے فرمایا کل چلیں گے۔ لیاقت الدین صاحب کہنے لگے حضرت مجھے کل پہنچنا ضروری ہے۔ حضرت نے اجازت دے دی مگر ہم لوگ رات بھر ٹرین میں کھڑے کھڑے آئے اور سفر میں سخت مصیبت اٹھائی۔ یہ سب حکم عدوی کا نتیجہ تھا۔

ایک بار رمضان المبارک میں ہم لوگ آپ کے ساتھ روزہ کشائی کر رہے تھے، اور بھی بہت سے عقیدت مند تھے۔ ان موجودہ حضرات میں وجید الدین احمد صاحب قریشی بھی موجود تھے۔ کھانے میں انواع و اقسام کی نعمتیں موجود تھیں۔ ان میں

بکری کی کلیسی بھی تھی۔ وحید الدین احمد صاحب آپ سے مخاطب ہوتے کہ حضرت، اس کے ساتھ چھاتی ہوتی تو مناسب ہوتا۔ آپ مسکرانے لگے۔ ابھی دو ہی منٹ گزرے تھے کہ ایک بچہ آیا درودہ ایک خران میں کھانا لا یا تھا، اس میں چھا تیاں اور قیمہ تھا۔ وہ بچہ کہنے لگا کہ حضرت جی، یہ بھائی مجید گوشت والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

ایک بار سفر احمد آباد میں تبلیغی پروگرام میں گئے، وہاں بہت سے بزرگان دین کے مزارات پر جانا ہوا۔ فاتح پڑھی مراقبے کئے۔ احمد آباد میں ایک مقام ہے جسے مرجیز کہتے ہیں۔ وہاں شاہان احمد آباد کے مزارات ہیں۔ سلطان محمود بیگ طے کا بھی وہی مزار ہے۔ آپ نے مراقبہ کیا بھیا باب الدین صاحب نے مراقبہ میں ان سے ملاقات کی۔ بادشاہ بہت خوش ہوتے فرمائے لگے کہ ہم حضرت صاحب کے تشریف لانے سے بہت خوش ہوتے۔ بزرگان دین کے یہاں حاضری اسی طرح دینی چاہئے، اور بھروسہ کے لئے گذارش کی۔ اس کے بعد حضرت جی نے دعا فرمائی۔

حضرت قبلہ شیخ مولانا مولوی محمد عبدالمالک صاحب صدر لقی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ پاکستان سے میر کھٹہ تشریف لائے۔ آپ کا خیال تھا کہ میر کھٹہ کی جماعت اپنے آپ سیٹیں ریزرو کرائے گی مگر وہاں ایسا نہ ہوا۔ حضرت قبلہ شیخ نے دہلی آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ میں کل کرچی جانا چاہتا ہوں میں سیٹیں ریزرو کرو۔ آپ نے فوراً رقم الحروف کو بلا یا کہ کل کی سیٹیں کم کراؤ۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آج تک بہت رش چل رہا ہے دو ہفتے قبل ریزروشیں ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ۔ لہذا میں اور حافظ معراج الدین محمد الیاس چھبی دالے تینوں دہلی ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ وہاں بہت بھیر کھتی اور کوئی سیٹ نہ تھی، لوگ واپس جا رہے تھے۔ ہم تینوں نے مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ختم شریف پڑھ کر فارم پیش کرو۔ لہذا ہم تینوں نے اسٹیشن پر ہی ختم شریف پڑھ کر فارم پیش کیا۔ ایک سکھ کلرک تھا، وہ کہنے لگا کہ آپ لوگ تشریف رکھیں میں سی دہلی سے معلوم کرتا ہوں۔ انہوں نے فون کیا اور بھر فوراً ہی تین سیٹیں لا ہوتک کی کم کراؤں۔ ہم تینوں ہیран تھے کہ یہ کلرک دوسرے لوگوں کو جھڑک رہا تھا اور ہمارے ساتھ بہت مہربانی سے پیش آیا اور بھرنی دہلی ریلوے اسٹیشن فون کیا اور ہمیں سیٹیں ریزرو کر کے دیں۔ میں نے کہا کہ سردار جی، آپ نے سب کو منع کر دیا اور ہمارے لئے سیٹیں کم کر دیں۔ سردار جی بولے کہ آپ کے لئے اور پرے آرڈر آیا تھا۔ یہ سب بزرگوں کا فیض تھا۔

طریقہ نقشبندیہ

القاب و فضیلت

یہ طریقہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے۔ مختلف زمانوں میں اس کے مختلف القاب رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ سے شیخ بایزید بسطامی تک اسے صدیقیہ کہتے تھے، اور خواجہ بایزید بسطامیؓ سے خواجہ عبدالحاق نقشبندی تک طیفوریہ، اور خواجہ عبدالحاق سے خواجہ بہار الدین نقشبندی تک خواجگانیہ کہلاتا تھا، اور خواجہ نقشبندی سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تک نقشبندیہ کے نام سے موسوم تھا۔ حضرت مجدد کے زمانے سے نقشبندیہ مجددیہ کہلاتا ہے۔

صوفیہ کرام نے فنِ محبت ذاتیہ کی تحصیل کے مختلف طریقے بیان کئے ہیں، جن میں یہ طریقہ نقشبندیہ امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طریقہ عالیہ کا مدار متابعت سنت کے التزام اور بدعت سے اجتناب پر ہے۔

کمال اتباع سنت جو حضرات نقشبندیہ نے اختیار کیا ہے اس کے سببے وہ دوسروں سے ببقت لے گئے ہیں، اور کمال مطابعت کی وجہ سے یہی کمال مشابہت ان کی افضلیت کی ولیں ہے۔ وہ عمل بر عزیمت کو حتی المقدور باتکھ سے نہیں دیتے اور رخصت پر عمل بتجویز نہیں کرتے۔ وہ احوال دمواجید کو احکام شرعیہ کے تابع رکھتے ہیں اور اذواق و معارف کو علوم دینیہ کے خادم سمجھ کر جواہر نقیبیہ شرعیہ کے عوض میں وجود حال کے جوز مویز کو نہیں لیتے اور صوفیہ کے ثرہاب پر مغروہ نہیں ہوتے، اسی واسطے ان کا وقت و حال، دوام و استمرار پر ہے نقش ماسوان کے دل میں اس طرح

یہ محو ہو جاتا ہے کہ اگر ہزار سال ماسوائے حاضر کرنے میں تکلف کریں تو حاضر ہو سکے۔ وہ بھلی ذاتی جود و سروری کے لئے مثل برق کے ہے، ان بزرگوں کے لئے دائمی ہے۔ وہ حضور حسین کے صحیحہ غیبت ہو، ان کے نزدیک اعتبار سے ساقط ہے۔ رجاءُ لَا تُلْهِي هُنْ تَجَارَةٌ وَ لَا يُنْعِنْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ (سورہ نور ۴۵) وہ مرد کے غافل نہیں کرتی ان کو سو داگری اور نہ خرید و فردخت خدا کی یاد سے۔

یہ طریق البته موصى ہے عدم وصول کا احتمال یہاں نہیں پایا جاتا، کیونکہ اس راہ کا پہلا قدم جذب ہے جو وصول کی دہیز ہے۔ سالک کے وصول کا مانع یا جذب محض ہے جس میں سلوک نہ ہو یا سلوک محض بغیر جذب کے یہ دونوں مانع نہیں پائے جاتے۔ کیونکہ اس طریق میں نہ سلوک خالص ہے نہ جذب محض بلکہ جذب ہے جو متصف سلوک۔ لہذا اس طریقہ عالیہ میں وصول کا سدراہ سوائے طالب کی سستی کے اور کوئی چیز نہیں۔ طالب صادق اگر پیر کامل کی صحبت میں رہے اور شرائط طلب جواہ کا برسسلہ نے قرار دی ہیں، بجا لائے تو امید ہے کہ البته داصل ہو گا۔ اگر پیر ناقص سے کسی کا پالا پڑ جائے تو چونکہ وہ خود و اصل نہیں دوسروں کو کیسے داصل بناسکتا ہے۔ اس صورت میں طریق کا کیا قصور ہے۔

چنانچہ حضرت قیوم رباني مجدد الف ثانی رضي اللہ تعالیٰ عنہ مکتوب ۲۶۷ میں اپنا طریق بیان کر کے یوں لکھتے ہیں :

”یہ ہے بیان اس طریق کا بدایت سے نہایت تک، جس کے ساتھ حق بجا نہ تعالیٰ نے اس حقیر کو ممتاز فرمایا ہے۔ اس طریق کی بنیاد نسبت نقشبندیہ ہے جو متصف اندر ارج نہایت در بدایت ہے۔ اس بنیاد پر عمارتیں اور محل بناتے گئے۔ اگر یہ بنیاد نہ ہوئی تو معاملہ یہاں تک نہ پڑھتا۔ بخارا اور سمرقند سے یہج زمین ہند میں جس کا مایہ خاک یثرب و بطیا سے ہے، بویا گیا اور اس کو برسوں آب خصل سے سیراب رکھا گیا اور تربیت احسان سے پرورش کیا گیا۔ جب وہ کھیتی کمال کو پہنچی تو یہ علوم معارف پھل لائے۔“

ایک اور مکتوب ہمکتوں ۲۸۱ جلد اول میں آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں :

”اس طریق میں ایک قدم رکھنا دوسرے طریقوں کے سات قدم سے بہترے۔ وہ راستہ جو بطریق بیعت و وراثت کمالات بیوت کی طرف کھلتا ہے، اس طریق عالی سے مخصوص ہے۔ دوسرے طریقوں کی نہایت، کمالات ولایت کی نہایت تک ہے۔ وہاں سے کمالات بیوت کی طرف کوئی راستہ کھلا نہیں۔“



يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَهُ الْمُؤْمِنُ يُبَارِعُنَاهُ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكُنَّ بِاللَّهِ
شَيْئًا وَلَا يُسْرِقُنَّ وَلَا يَقْتُلُنَّ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِيَنَّ بِمُهْتَاجٍ
يَفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِنَاهُ فِي مَعْرُوفٍ فَبِمَا
يَعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرُ لَهُنَّ اللَّهُ طِإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ الرَّحِيمُه
قد سمع الله ربنا ، سور المتخمه

ترجمہ

اے بنی جب تیرے پاس ایمان والی خورتیں اس بات پر بیعت کرنے آئیں
اوکھیں کہ جم اللہ کے ساتھ کسی کو شرک نہ بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا
کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کسی پر بہتان لگایں گی اور نہ کسی نیک
کام میں تیری نافرمانی کریں گی ، تو تم ان کی بیعت قبول کر لینا اور ان کے لئے اللہ سے
بخشنش مانگنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا امیر با ان ہے۔



تصوف کی حقیقت

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشنوی کے دفترِ سنجم میں تحریر فرمایا ہے کہ مثلاً ایک شخص ہے جس نے طب پڑھی یہ شریعت ہے، دوا استعمال کی یہ طریقت ہے۔ مرض جاتا رہا یہ حقیقت ہے۔ حاصل یہ کہ شریعت علم ہے، طریقت عمل ہے اور حقیقت عمل کا اثر ہے۔ شریعت چار چیزوں کا نام ہے اقرارِ زبانی، اعتقادِ قلبی، تزکیہ اخلاق، اعمال (یعنی امر و نواہی) اعتقادِ تین طریقوں سے پیدا ہوتا ہے۔ تقلید سے، استدلال سے، کشف و حال سے۔ پہلی دونوں قسموں کو شریعت کہتے ہیں۔ اگر ان طریقوں کے کسی کو اعتقاد حاصل ہو جائے گا تو کہا جائے گا کہ اسے شرعی اعتقاد حاصل ہے۔ رہی طریقت وہ شریعت سے باہر نہیں ہے، لیکن یہ ایک امتیازی نام ہے اس لئے کہ یہ اعتقادِ مجاہدہ و ریاضت اور سلوک و تصوف کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

تزکیہ اخلاق کے جواہکام شریعت میں مذکور ہیں، ان کا نام شریعت ہے لیکن محفوظ احکام کے جملے سے تزکیہ نہیں ہو جاتا۔ علمائے ظاہر کیا نہیں جانتے ہیگر کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے اخلاق پاکیزہ ہوتے ہیں۔ یہ کمال اور بہباد بات توجہ بہادت اور فناۓ نفس سے ہی حاصل ہوتی ہے اور بہی طریقت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ شریعت و طریقت دو متناقض چیزوں نہیں، بلکہ دونوں میں جسم و جان، جسد و پوست و مغز، ظاہر و باطن کی نسبت ہے۔ اور ایک کا ذریعہ سب کے نزدیک جواہری و باطنی یعنی حافظہ تجھیں اور جس سے مشترک وغیرہ ہیں۔ لیکن ارباب تصوف کے نزدیک تصفیہ قلب و مجاہدات سے انسان کے اندر ایک اور خاصہ پیدا ہو جاتا ہے، جس سے وہ کچھ معلوم ہو جاتا ہے جو جواہری و باطنی سے معلوم نہیں ہو سکتا، اور وہ کچھ نظر آ جاتا ہے جسے ہماری ظاہری آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

حضرت امام غزالیؒ اور تصوّف

حضرت امام غزالیؒ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حوض ہے جس میں نلوں اور جلدیوں کے ذریعہ سے پانی باہر سے آتا ہے، لیکن خود حوض کی تہہ میں بھی ایک سوت پیدا ہو گیا ہے جس سے پانی خوارے کی طرح اچھلتا ہے اور حوض میں آتا ہے۔ یہی علم باطن ہے جسے علم غیبی لدُنِ اور کشف وغیرہ کہا جاتا ہے مگر یہ علم انہیا اور اولیا کے ساتھ مخصوص ہے البتہ انہیا کا علم نہیا بت کامل ہوتا ہے، لیکن اولیاء کرام کو مجاہدات و ریاضات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ تحقیقات غلیبیہ سے ثابت ہو جپکا ہے کہ حواس کے سوا اور کوئی ذریعہ اور اک نہیں جنوز اس صوفیا کا جواب ع ذوق ایں پادہ نہ دانی بخدا تانہ چشتی ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس طرح علوم ظاہری کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ ہے ابھی طرح علم باطن کے حصول کا بھی ایک خاص طریقہ ہے، جب تک اس کا جزء نہ کر لیا جائے اہل ظاہر کو اس کی تکذیب کا کوئی حق نہیں۔

تصوّف کی اصل

نفظ تصوّف کے استراق پر بہت بحثیں کی جا چکی ہیں کسی نے اسے صوفے متعلق قرار دیا اور کسی نے صفحہ سے، درست تمام توجیہات ہیں جنوز غوث الاعظم اور حضرت امام غزالیؒ نے اسے نفظ صفا متعلق قرار دیا ہے، حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں کہ صوفی وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صاف کیا ہو، یعنی جو شخص نفس کی آفتوں اور اس کی برائیوں سے صاف ہو اور اس کے قلب کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے آرام نہ ملے۔ لیکن اگر اسے صفحہ والوں سے بھی متعلق قرار دیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں، لیکن کوئی کہ صفحہ والے وہ بزرگ تھے جنہوں نے سبے پہلے نبوی یونیورسٹی یا بھی خانقاہ میں تعلیم تصوّف حاصل کی تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اخلاق زدیلہ سے پاک ہو کر اخلاق فاضلہ کے حامل ہونے، حقائق و معارف الہیہ میں منہک رہنے، باطن کو تمام بوث اور مساوا سے صاف کر دینے اور دھانی ترقی کی ذیل میں مرحل ارتقا ہاشقانہ انداز میں طے کرنے کو تصوّف کہتے ہیں۔

تصوف اور احادیث نبوی

حدیث جبراہیل میں حقیقت اسلام و ایمان کے بعد احسان کا ذکر ہے جس کی تفصیل حضور نے یوں بیان فرمائی ہے : إِنْ تَعْبُدُوا اللَّهَ كَا أَنَّكُمْ تَرَاهُ فَإِنْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَكُوكُمْ (بخاری مسلم) احسان و اخلاص یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس تو اگر اس حال پر نہیں کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے تو یوں عبادت کرنے کے وہ تجھے دیکھ رہا ہے (مشکوٰۃ کتاب لایمان) اس سے ہاف ظاہر ہے کہ اعمال ظاہری و عقائد کے علاوہ ایک اور بھی کمال ہے، جسے "احسان" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ "احسان" اصلی تصوف کی طرف اشارہ ہے اور اثبات و لایت کی قوی دلیل ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ دین اور کمال دینی کی بنا فقة و کلام و تصوف پر فائتم ہے۔ اس حدیث میں ان تینیوں مقامات کا ذکر ہے۔ اسلام سے مراد فقه ہے جو اعلام و اعمال شرعیہ فرعیہ کے بیان پر مقصمن ہے۔ ایمان سے مراد ہیں اغقاوات، جو اصول کلام کے مسائل ہیں۔ احسان اشارہ ہے اصل تصوف کی طرف جس سے مراد صدق و توجہ الی اللہ ہیں تینیوں لازم و ملزم میں ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ فقه کے بغیر تصوف نہیں پایا جاتا کیونکہ احکام الہی فقه کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے اور تصوف کے بغیر فقة ناتمام رہتی ہے اس لئے عمل صدق کے بغیر کامل نہیں ہوتا اور فقه تصوف دونوں ایمان کے بغیر صحیح نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالکؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صوفی بناؤں فقیہہ نہ ہوا اپس وہ زنداق ہو گیا اور فقیہہ ہوا صوفی نہ بناؤہ فاسق ہو گیا جو دونوں کا جائز ہے دینی تھیک اور درست ہے۔

ایک اور حدیث ہے کہ جب آدمی بہت نفل پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنالبتا ہے اور پھر اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے لئے بہت ہو جاتا ہوں جس سے وہ بکری تر تھا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا پھرتا ہے۔ مگر اس کی آنکھیں جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس حدیث کو غور سے پڑھئے اور صحیح کہ بہت ہے، کیا یہ وہی درج نہیں جس کے متعلق حضرت مولانا روم فرمائے ہیں :

تصوف اور احادیث نبوی

حدیث جبرایل میں حقیقت اسلام و ایمان کے بعد احسان کا ذکر ہے جس کی تفصیل حضور نے یوں بیان فرمائی ہے: إِنْ تَعْبُدُ وَاللَّهَ كَافِلٌ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهَا يَرَالَهُ (بخاری سلم)، احسان و اخلاص یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس تو اگر اس حال پر نہیں کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے تو یوں عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے (مشکوٰۃ کتاب لایمان)، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اعمال ظاہری و عقائد کے علاوہ ایک اور بھی کمال ہے، جسے "احسان" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ "احسان" اصلی تصوف کی طرف اشارہ ہے اور اثباتات و لایت کی قوی دلیل ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ "دین اور کمال دینی کی بنا فقة و کلام و تصوف پر قائم" ہے۔ اس حدیث میں ان تینوں مقامات کا ذکر ہے۔ اسلام سے مراد فقة ہے جو احکام و اعمال شرعیہ فرعیہ کے بیان پر مختص ہے۔ ایمان سے مراد ہیں اعتقدات، جو اصول کلام کے مسائل ہیں۔ احسان اشارہ ہے اصل تصوف کی طرف جس سے مراد صدق و توجہ الی اللہ ہیں۔ تینوں لازم و ملزم و ملزوم میں ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ فقة کے بغیر تصوف نہیں پایا جاتا کیونکہ احکام الہی فقة کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے اور تصوف کے بغیر فقة ناتمام رہتی ہے اس لئے عمل صدق کے بغیر کامل نہیں ہوتا اور فقة تصوف دونوں ایمان کے بغیر صحیح نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام مالکؓ نے فرمایا ہے کہ جو شخص صوفی بنادی و فقیہ نہ ہوا پس وہ زنداق ہو گیا اور فقیہ نہ ہوا صوفی نہ بنادی فاسق ہو گیا جو دونوں کا جائے ہے وہی صحیک اور درست ہے۔

ایک اور حدیث ہے کہ جب آدمی بہت نفل پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بنالیتا ہے اور پھر اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کا باختہ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا پھرتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس حدیث کو غور سے پڑھیے اور سمجھیے کہ یہ کیا ہے؟ کیا یہ وہی درجہ نہیں جس کے متعلق حضرت مولانا روم فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
 مردان خدا خدا نہ باشند یکن ز خدا جدا نہ باشند
 یہی قنایی اللہ اور یہی تصوف کی انتہا ہے، یہیں سے علمائے روحانی اور علمائے
 ظاہر کا فرق سمجھیں اتا ہے، اور یہیں پہنچ کر وہ ہر قسم کے مراتب فضائل کے حامل بن جاتے ہیں۔

قرآن اور تصوف

ویسے تحقیقت یہ ہے کہ امر دنواہی احادیث و قرآن ہی کے امر دنواہی میں،
 یکوں کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا أَنْكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ كَمَا نَهَا كَمَ عَنْهَا فَإِنْتُمْ هُوَا
 وَاتَّقُو اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابٍ ۝ یعنی جو چیز رول اللہ تمہیں دیا ہے تو، جو حکم
 دیں مان، مواند پر خل کردا اور جس چیز سے وہ تمہیں منع کریں اس سے باز رہواد اللہ سے
 ڈرتے رہو کہ وہ بہت سخت مذاب دینے والا ہے۔ سورہ حشر، پھر قرآن کریم میں بندوں کو
 دیگر اشیائے ارضی و مادی کی طرف متوجہ ہونے، نذر کرنے اور ان سے کام لینے کی طرف
 اشارات کئے گئے۔ اسی رنگ اور اسی انداز میں نفس پر غور کرنے کا اشارہ صریح موجود ہے
 ارشادِ ربانی ہے: وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ یعنی تمہارے اندر ہی سب
 پنجوں موجود ہے۔ تمہارے قلب میں ہی اللہ کی نشانیاں موجود ہیں، پھر کیا تم ان نشانیوں کو
 نہیں دیکھتے۔ به الفاظ دیگر تم نے تمہارے قلب میں گوناگوں صفات پیدا کر دی ہیں۔
 اسے گنجینہ معارف اور حقائق بنایا ہے۔ تم کو شش کرو اور جس طرح اور دنیا کی سیر
 کرتے ہو اس کی بھی سیر کرو، تاکہ اس میں تمہیں انوار الہمی نظر آئیں۔ کیا اس آیت میں
 اسی حس اور اسی فوارے کی طرف اشارہ نہیں جس کا ذکر حضرت امام غزالیؒ اور حضرت
 مولانا رومؓ نے اپنے اشعار و تحریر میں کیا ہے، ہے اور یقیناً ہے۔

جس طرح پہاڑوں، دریاؤں، آسمانوں، ستاروں، درختوں اور سمندوں
 پر غور و تحقیق کر کے اور حقائق اشیاء کی تہہ کو پہنچ کر انسان نے بے شمار علوم منضبط
 کر لئے طبیعت، ارضیات، برقيات، مائیات، ہیئت، بجوم، معدنیات، نفیات
 وغیرہ انسانی غور و عمل ہی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح تصوف نفس پر نہیں، نفس کی گھرائیوں
 میں اتر نے اور قلب کی پہاڑیوں میں غوط لگانے کا نتیجہ ہے۔

دوسری نجگہ ارشاد ہے: وَالَّذِينَ حَاجَهُدُوا فِي سَبَابِهِ شَهْدُمْ ۝ یعنی جو لوگ

الہیات میں ہماری ذات میں سعی و جہد سے کام لیتے ہیں، مجاہدہ و ریاضت کرتے ہیں ہم ان کے سامنے اپنی نشانیاں کھوں دیتے ہیں۔ صاف اور صریح آیت ہے کسی تشرع کی محتاج نہیں۔

مجاہدہ و کثرت عبادت

مجاہدہ و ریاضت اور کثرت عبادت شرعاً جائز ہے، جیسا کہ ہم ابھی ایک حدیث میں بتا چکے ہیں کہ نوافل کی کثرت محبوبیت کا درجہ عطا کر دینی ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ اس مجاہدہ و ریاضت کی فرض اور کسی کے حق پر زدنہ پڑتی ہو، انتہایہ ہے کہ اپنے نفس کو بھی تکلیف نہ ہوا دراس پر گران نہ گذرے کہ انسان پر اس کا بھی حق ہے۔ اسی پابندی کی وجہ سے بہت سے اولیاً کبار نے ابتداء میں ترک اباب و ترک انباء کو عارضی طور پر ضروری بتایا ہے کہ اگر دینوں کی تعلقات بحالہ قائم رہیں گے تو مجاہدات و ریاضات نہ ہو سکیں گے، اور ہوئے تحقیق العباد پر زد پڑنے سے ان کا وجود عدم وجود برابر ہو جائے گا۔ بنزگوں نے سنت نبوی کی تعمیل میں شادیاں بھی کیں مگر اسی وقت جب یہ تمام مدارج ارتقا اور مراحل رو حافی طے کر چکے۔

شرطیہ ہیں اولاً ملال خاطر نہ ہو طبیعت پر گران نہ گذرے کہ ایسی حالت میں عبادت وغیر عبادت برابر ہوتی ہیں۔ عبادت وہی ہے جس میں کیف و شوق ہو شانیاً تکلیف مالا یطاق نہ ہو، ثانیاً کوئی اہم عبادت اور اہم فریضہ قضا نہ ہو، رابعاً بیوی اولاد والدین یا مسلمان وغیرہ کا حق فوت نہ ہو، خامساً رخصت شرعی کو باطل اور عامل رخصت کو بے عمل نہ سمجھے، سادساً غیر واجب کو واجب اور غیر حرام کو حرام کرنا لازم نہ آئے۔ ان کے علاوہ چند اور امور بھی ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ اولاً ارکان عباد پر ہے سکون سے ادا کئے جائیں، ثانیاً مأمورت نہ رہے، ثالثاً دسرے بھائیوں کے لئے وجہ ملال و تکلیف نہ ہو اور رابعاً اس عبادت و کثرت پر غور اور اپنی فضیلت کا احساس نہ ہو۔

تکلیف مالا یطاق و عبادت

شرط اول و دوم کے متعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے کہ بندوں پر زیادہ بارہ پڑے، انتہایہ ہے کہ اگر بندے اپنے اور پر خود زیادہ دباؤ دال لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ

کو غصہ آ جاتا ہے کہ یہ بندہ خود بھی تکلیف اٹھاتا ہے اور اپنی مثال سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **يُرِيدُ اللَّهُ تَكْهُدُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَه** (سورہ بقرہ ۲۳۴)، یعنی اللہ تعالیٰ تم سے آ سافی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ **وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ رَجَحَ اَعْتَدْتُمْ** پر دین کے بارے میں کوئی سختی نہیں رکھی گئی۔ **وَأَنْفَقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُو بِآيَدِيهِمْ إِلَى التَّهْلِكَةِ وَ أَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** (سورہ بقرہ ۱۵) یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کر دنگرہ اتنا کہ خود ہلاکت میں پڑ جاؤ اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، نیکی کرو کہ اللہ میکوں کو پسند کرتا ہے۔ **قُلْ مَنْ حَرَمَ زِيَّتَهَا اللَّهُ أَلِتْيُ أَخْرَجَ الْعِيَادَةَ وَالظَّيَابَاتِ مِنَ الرِّزْقِ** (سورہ اعراف ۱۷۴)، اے بھی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے جو ناس کم ولذائص پیدا کئے ہیں اور جو عمدہ طیب چیزیں ہیں وہ حرام کس نے کی ہیں۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُ مَوْطِئِتِ مَا أَحَلَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُ وَإِنَّ اللَّهَ كَانَ يُحِبُّ الْمُعْتَدِيِنَ** (امداد ۱۲۴)، اے ایمان والو، جو پاک چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں انہیں اپنے اور حرام نہ کرو، حد سے باہر نہ نکلو۔ اللہ تعالیٰ حد سے باہر نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت امام لغوی نے معالم التنزیل میں اس آیت کی شان تزویل میں لکھا ہے کہ ایک روز حضور نبی مکریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعظام میں قیامت کا ذکر کیا، لوگوں پر رقت طاری ہو گئی۔ ان میں سے دس بزرگوں حضرت ابو بکر صدیق حضرت علی حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت سلمان فارسی حضرت عبده اللہ بن حضرت عمر فاروق حضرت ابو ذر غفاری حضرت سالم موسی بن ابی حذیفہ حضرت مقدار بن اسود حضرت معلق بن مقرن اور حضرت عثمان بن مظعون وغیرہ نے حضرت عثمان بن مظعون کے گھر میں مجمع ہو کر مشورہ کیا اور اس امر پر سب متفق ہو گئے کہ رہبائیت اختیار کر لی جائے۔ کمبل پسندے زمین پر سوئیں عورتوں کے پاس نہ جائیں نہ خوشبو لگائیں اور نہ گوشہت اور حرجی کھائیں فن کو روڑے رکھیں اور ریات بھر عبادات کریں جس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حب خبر ملی فوراً آپ حضرت عثمان بن مظعون کے گھر پہنچ پہنچ رہاں کوئی نہ ملا۔

آپ نے ان کی بیوی حضرت خولا سے پوچھا دو دنیک بی بی نہ توجہوت بونا گوارہ کر سکتی تھیں اور نہ خادم کے راز کا اظہار۔ اس نے فرمائے تھے لمحیں، اگر عثمان شے آپ سے فرمایا ہے تو بیٹک صیحہ ہے جب ان حضرات کو علم ہوا کہ حضور تشریف لائے تھے تو

یہ لوگ خود در بار بوت میں حاضر ہوئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیرین کے بعد فرمایا: اَنْ كَانَتْ كُمْ عَلَيْكُمْ حَقًا فَصَدُّمُوهُ، وَأَفْطِرُوهُ، وَقُوْمٌ دَأَبْهَمُوا هُنَّا هُنُّ ذَاقُوا إِنْ قَوْمٌ
وَأَنَّا مُمْدُودُمْ دَأَصْوَمُوهُ، وَأَفْطِرُوهُ أَكُلُ اللَّاحِمَ وَالرَّاهِيمَ دَأَقِي النِّسَاءَ، وَهُنْ رَهْبَتْ حَنْ سَيِّئَ
فَلَيْسَ صِنْيَ، یعنی تم پڑھا رے نفسوں کا بھی حق ہے۔ روزہ بھی رکھو۔ افشا بھی کرد۔ قیام کرد
اور سوڈ بھی کیونکہ میں قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزہ بھی رکھتا ہوں درافتہ۔
بھی کرتا ہوں، گوشت اور چربی بھی کھاتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں۔
بس جس نے میری منت سے روگر رافی کی وہ مجھے سے نہیں ہے۔ پھر آپ نے لوگوں کو
جمع کر کے خطبہ دیا اور زور شور کے ساتھ فرمایا کہ دیکھو ان قوموں کا کیا حال ہوا ہے
جسہوں نے عورتوں، عجده کھانوں، خوشبوؤں اور دنیوی شہوتوں کو اپنے اوپر حرام
کر لیا۔ خوب سمجھو لو کہ میں تمہیں حکم نہیں دیتا کہ قیس اور رامبین جاؤ، کیونکہ میرا دین
گوشت اور عورتوں کو ترک کر دینا نہیں اور نہ یہ جھروں اور خانقاہوں میں یکسو ہو کر
بیٹھ جاؤ۔ فی الحقيقة میری امت کی سیاحت روزہ رکھنا اور رہبانیت جہاد کرنا ہے۔
اللہ کی عبادت کرو، اس کا شریک نہ ٹھہراو، حج کر و عمرہ کرو، نماز پڑھو زکوہ دو رمضان
کے روزے رکھو اور استقامت کرو۔ اس طرح تمہاری حالت درست رہے گی تھم را درست
پڑھو گے۔ تم سے پہلے جو گذر چکے ہیں وہ سخت گیری اور اپنے اوپر سختی کرنے کے باعث
ہلاک ہوئے۔ انہوں نے خود اپنے اوپر تشدید کیا، اللہ تعالیٰ بھی ان پر تشدید کرنے لگا۔ انہی
لوگوں کی بقا یا آج جھروں اور خانقاہوں میں ہے۔ اسی وقت اس معاملہ کے متعلق اللہ
تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل کی جسے سن کر سب لرز گئے۔

قلب انسانی کے نوادر

إِنَّ الِّدِينَ يُسْرُ وَلَنْ يُشَادُ الِّدِينَ أَحَدٌ لَمْ حَرَضْتَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَوَى يَوْمَ كَرْتَةَ
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دین سراسر آسانی ہے، کوئی شخص دین
کے ساتھ ہرگز مصالیہ نہیں کر سکتا (یعنی واجب آسان عمل کو غیر واجب دشوار امر اختیار نہیں
کرتا) مگر یہ کہ دین اس پر غالب آ جاتا ہے یعنی وہ عاجز آ جائے گا اور واجبات کو بھی
ادانہ کر سکے گا۔ پس طریقہ مستقیم اختیار کرو اعتدال رکھو خوش خبری دو اور مدد چاہو دن
کے اول اور آخر حصہ میں اور شب کی تاریخی میں۔ وَالْبِشْرُوا وَأَسْتَعْبُنُوا (بخاری شریف)

فَحُلُوْكٌ يُصلِّي اَحَدٌ كُلَّ شَاطِئٍ، فَإِذَا فَتَرَ فَلِيْقُعُدُّ (دنجاری شریف)، کتاب التہجد باب ما یکوہ من التشدید فی العبادۃ حفظت انس بن مالک نے روایت بھئے اے ایک مرتبہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف اڑتے اور دوستوں کے درمیان رسمی بندھی دیکھ کر وجہ پوچھی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ رسمی حضرت نبی پیغمبر نے بھبھے وہ نماز سے تھا کہ جاتی ہیں تو رسمی پکڑ لیتی ہیں۔ یہ من کرنے پر نے فرمایا کہ اسے کھول دیجئے تم میں سے بزرگ کوچاہنے کے اپنی مدت نماز پڑھئے۔ تھا کہ جاتے تو بیٹھ جاتے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوے فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تو دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر عبادت میں مصروف رہتا ہے۔ میرے اقرار کرنے پر ارشاد فرمایا کہ ایسا نہ کرو زہ بھی رکھ افطار بھی کرو رات کو نماز بھی پڑھ اور سو بھی، کیونکہ تجھ پر تیرے جسم تیری آنکھ اور تیری عورت اور تیرے مہمان کا بھی حق ہے۔ ایک ماہ میں تین روزے کافی ہیں۔ ہر نیکی کے عوض تجھے دلیے ہی دس نیکیاں ملیں گی اور تمام صوم و دہر کا ثواب ملے گا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے اس سے زیادہ طاقت ہے۔ فرمائے لگئے کہ پھر تو حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ رکھ جو ایک روز روزہ رکھتے اور دوسرے دن کھاتے پیتے رہتے۔ حضرت عبد اللہ بڑھاپے میں فرمایا کرتے تھے کہ کاش! میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصت قبول کر لیتا۔ دنجاری شریف، کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم،

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تین صحابیوں نے ازواج مطہرہ کے پاس آگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال پوچھا اور پھر کہنے لگے کہ ان کا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تو ان کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ نماز پڑھا کر دیں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھا کر دیں گا، تیرے نے کہا میں عورتوں سے کنارہ کھٹی کر دیں گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو بلا کر فرمایا کہ دیکھو میں تمہاری بہ نسبت خدا سے زیادہ ڈرتا ہوں، زیادہ پرہیز گار ہوں میگر کبھی روزے رکھتا ہوں اور کبھی چھوڑ دیتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ پس جو میری سنت سے برگشتہ ہوا وہ میری پروردی کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ (مشکوہ، باب الاعتصام)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنی جانوں پر شد

نہ کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اس طرح تم پر بھی تشدید کرے گا۔ (کَتُشَدِّدُ وَاعْلَى الْفُسْكُمْ فَيُشَدِّدُ وَاللَّهُ) جھروں اور خانقاہوں میں انہی کی بقایا میں رہبانیت کو انہی نے اختیار کیا حالانکہ یہ ان پر فرض نہ کی گئی سمجھیں۔ (ابوداؤ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرامت کے لئے سیاحت ہے مگر میری امت کی سیاحت جہاد کرنا ہے۔ ہرامت کے لئے رہبانیت ہے مگر میری امت کی رہبانیت دشمن کے مقابلے کے لئے سرحدوں پر گھوڑوں کو باندھ رکھنا ہے۔ (معجم الکبیر کنز الاعمال جز ثانی، صفحہ ۲۵۸)

اسی قسم کی بہت سی احادیث کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ پس مجاہدہ وہی بہتر ہے جو ذوق اور شوق کے ساتھ ہو، نفس پر زور کر کے نہ کیا جائے۔ اسلام میں بہت سے امراء و سلاطین ایسے بھی گزرے ہیں جو ہر شب کو سوسود و دسویں تین سور کعبت پڑھا کرتے تھے۔ یہ صرف ذوق شوق تھا نہ کہ جبر۔ اس کے ساتھ وہ شریعت کے بھی پابند تھے۔ پھر بیعت کے وقت تک حضور بھی غار حراء میں جو عبادت کرتے رہے اسے بھی مجاہدہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ علامہ ابن تیمیہ علامہ ابن حوزی اور اسی قسم کے درصরے علمائے ظاہر کی نگاہ تشدید فی العبادت پر تو گئی جس کی بنار پر انہوں نے مجاہدات و کشت عبادت کو خلاف شریعت بتا دیا مگر وہ "مذت نشاط" کے الفاظ اور اس حدیث کو جس میں کثرت نوافل کی تعریف ہے اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غار حراء کے مجاہدہ کو بھول گئے تصور میں یہ اتنی ضروری چیز ہے کہ اس کے بغیر بہت ہی کم ایسا ہوا ہے کہ کسی نے کمال حصہ لیا ہو۔ تقلیل غذا کے متعلق بھی انہوں نے اعتراضات کئے ہیں حالانکہ تمام انبیاء علیہ السلام اس پر کار بند رہے اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسی پر عمل تھا۔

مقامات سلوک

سلوک و تصرف کے اہم مقامات متأخرہ، قتا، بعما، فتح القفار، فکر، سیرت اور جہد و توکل وغیرہ ہیں۔ مقام فتاویٰ و تحقیقت بہت نازک مقام ہے منصوص اسی مقولہ پر آگے بھیجئے کہ تصرف گونہ تصریح خیال کا نام ہے یعنی جو خیال کا تمہری جائے درہ اصل حالت میں بن جائے۔ مثلاً توکل کا مقام در پیش ہو تو یہ حالت طاری ہو جائے

کہ جو کچھ ہوتا ہے دد پر داد نہیں سے ہوتا ہے۔ اسی طرح جس طرح کٹ پتیلوں کے تماشہ میں جس شخص کی انحرافیں پڑھتی ہیں اسے معاف نظر آتا ہے کہ گوپتیاں سینکڑوں طرح کی حرکت کر رہی ہیں لیکن ان کو فی نفسہ حرکت میں مطلق و خل بندی ہے بلکہ یہ تمام کرتے ہے اس کے بین جو تاریخ کو حرکت دے رہا ہے۔

اسی طرح عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک چھپے ہوئے محترم و مطہر باز یا یگر کے اشاروں پر ہو رہا ہے۔ اسے جانتے سب ہیں لیکن جس شخص پر یہ حالت طاری ہو جاتی ہے وہ حقیقت میں تمام عالم سے بے نیاز ہو جاتا ہے، بلکہ رفتہ رفتہ اس کی قوت ارادی بھی سلب ہوتی چلی جاتی ہے اور وہ خود کو بالکل رضاۓ الہی پر چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ ایک صوفی سے کسی نے پوچھا کہ کیسے کیسی گذرتی ہے۔ بولے کہ آسمان میری مرضی پر حرکت کرتا ہے، تارے میسر ہی کہنے کے موافق چلتے ہیں، زمین میرے ہی کہنے پر دالے اگانی ہے، سوال کرنے والے نے تعجب سے پوچھا کہ یہ کیوں کر سکتا ہے۔ فرمائے لکھ کہ میری کوئی خواہش ہی نہیں ہے بلکہ جو کچھ وقوع میں آتا ہے وہی میری خواہش ہے، اس نے جو کچھ ہوتا ہے میری ہی خواہش کے موافق ہوتا ہے۔

اسی طرح فنا کی یہ حقیقت ہے کہ سالک اپنی مستی کو بالکل مٹا دے اور ذاتِ الہی میں فنا ہو جائے۔ یہی وہ مقام تھا جس میں حضرت یا یزید سلطانی سُبحانی ماعظِم الشافیؒ اور حضرت منصورؓ نے آنَا الْحَقُّ کہا تھا۔ اسی حالت میں یہ کہنا بھی محلِ الزام نہیں کہ اپنا ہوش یہاں پہنچ کر کے ہوتا ہے جنہر موسیٰ علیہ السلام نے درخت میں روشنی دیکھی تھی، وہ خدا نہ تھی لیکن اس سے آواز آئی آناریٹ، جب ایک بے جان درخت کو خدائی کا دخوںی اس بنابر جائز ہے کہ وہ خدا کے نور سے منور ہو گیا تھا تو انسان تو اس کی قدرت کاملہ کا سب سے بڑا مظہر ہے جس شخص پر جن مسلط ہو جاتا ہے اس کا ہر فعل و قول جن کا قول و فعل ہوتا ہے۔ جب جن کے سلطنت میں یہ حالت ہوتی ہے تو نورِ الہی جس شخص پر چھائے اس کی یہ حالت کیوں نہ ہوگی۔ بوہا آگ میں گرم ہو کر آگ کے ہم رنگ بن جاتا ہے، تو وہ گواگ نہیں ہو جاتا لیکن یہ تو خود رہے کہ اس میں آگ کی تمام خاصیتیں پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہتے ہیں کہ آگ بھوگی۔ فنا فی اللہ کے مقام میں انسان کی بھی یہی حالت ہوتی ہے۔ یہ مقام بہت افضل و اعلیٰ ہے اور ایک وجودی ذریعی چیز ہے جس شخص پر یہ حالت طاری نہ ہو اس کو یہ افاظ استعمال نہ کرنے چاہیں۔ چنانچہ فرعون و منصور کا اختلاف حالت اسی پر مبنی ہے۔

عبدات

تعوف میں عبادت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر کسی توقع یا خوف کے ہو، محض محبت الہی اس کا باعث ہو جس طرح بچپن میں بچہ مکتب میں جاتا ہے تو یا تو اسے بہ جہر بھیجا جاتا ہے یا اسے شیر بینی اور پیٹیے کا لایحہ دیا جاتا ہے، بگھر جوان ہونے پر اسے علم کے ساتھ خود ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور اب اسے خوف و طمع نہیں بلکہ ذوق علم مجبور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اسے علم کا پسکا پڑھ جاتا ہے تو روکے بھی نہیں سکتا۔ اسی لئے ارباب ظاہر عبادات کے اوقات مضبوط کئے پابند ہیں۔ لیکن اہل اللہ اور اہل دل کے لئے ہر وقت عبادت کا وقت ہے، ان کے لئے عبادات کے تمام اوقات بھی عبادت کے لئے ہیں نہیں کرتے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اصحاب صفة کا وجود خود اس بات کا ثبوت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عبادت میں ہمہ وقت انہماں کو ایک خاص طبقے کے لئے برائیں سمجھتے تھے۔ شیخ علی ہجویری فرماتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مہاجرین و فقرا را یہے سمجھے کہ خدا کی عبادت کے آداب اور حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اتباع پورا پورا بجالاتے تھے اور مسجد نبوی میں بیٹھے رہتے تھے اور تمام اشغال اور ہجگڑوں کو ترک کر دیا تھا، اور اس امر کا کامل یقین رکھتے تھے کہ خدا یے تعالیٰ ہمارا روزی رساں ہے اور خدا کی ذات پر کامل توکل تھا۔ اسی درجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی صحبت کے لئے مامور تھے اور ان کے حق کو قائم رکھتے تھے، جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے، **وَكَلَّا تَنْطُرُ دِلَّذِيْنَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالنَّعَدِ وَأَوْهِيَّ دَالْعَثِيَّيْرِ يُرْبِيْدُ وُنَّ وَجْهَهُ**۔ یعنی اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اس کی ذات پاک کی خواہش رکھتے ہیں دو رمت کر، اور ایک جگہ ارشاد فرمایا: **وَلَا تَعْدُ وَعَيْنَا كَعَنْهُمْ تُرْبِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا**۔ اپنی آنکھیں یعنی توجہ کی نگاہ ان کی طرف رکھو اور انہیں نظرِ حقارت سے نہ دیکھو، کیا تو دنیا کی زندگی میں زینت چاہتا ہے۔ اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں انہیں دیکھتے تو فرماتے کہ میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں تمہاری یابت اللہ تعالیٰ نے مجھ پر عتاب فرمایا۔

اصحاب صفة وہ مقدس صحابیوں کی جماعت تھی جنہوں نے اپنی زندگی صرف عبادت الہی اور قرآن کریم کی تعلیم کے لئے وقف کر دی تھی، دنیوی معاملات سے

انہیں کوئی سرد کار نہ تھا۔ رات دن یہ لوگ عبادت اور تلاوت قرآن میں مصروف رہتے تھے۔ شادی بیاہ نہ کرتے تھے اور جب کر لیتے تھے تو اس حلقے سے نکل جاتے تھے۔ معاش کا زیادہ تر دار دعا صاحب آراء اور رسول اللہ علیہ وسلم کی اعانت پر تھا۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں تو ملکولا تے اور مسجد کی چھت میں نیک کارڈیتے جو کھجور پیک پیک کر گرتیں یہ لوگ ان کو اٹھا کر کھا لیتے۔ ان میں سے کچھ لوگ دن میں پانی بھر لاتے کچھ جنکل سے لکڑیاں چن لاتے اور انہیں بچ کر جو آمدی ہوئی اس کو درجہ معاش میں صرف کرتے، لیکن زیادہ تر ان بزرگوں کی بسر اوقات صدقات پر ہوتی تھی۔ چنانچہ ابن کعب القرضیؓ نے لِفَقْرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فقراء سے مراد اصحاب صفة ہیں۔

تصوف اور صوفیا کا مقصد حیات تصوف کی تعریفیں، مشائخ کی کتابوں میں کثرت سے ملتی ہیں۔ لیکن ان تعریفوں کی بنا پر صوفیا مے کرام کے مقاصد کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابوالحسن خرقانیؓ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف آج کل ایک بے حقیقت نام ہے، اس سے پہلے حقیقت بلانام کے تھا۔ اس لئے مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ خود صوفیا مے کرام کی زندگی میں تصوف کے معنی تلاش کئے جائیں اور ان کے مقاصد کا تعین اسی کی بنا پر کیا جائے۔

محبتِ الہی

حضرت نظام الدین اولیاً ایک خط میں حضرت مولانا فخر الدین مزدریؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت کا اس باب میں اتفاق ہے کہ انسان کی پیدائش کا اہم مطلوب اور بڑا مقصد رب العالمین کی محبت ہے۔ خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محبتِ الہی میں سرشاری کی زندگی تھی۔ آپ دعا فرمایا کرتے تھے: اللَّهُمَّ اجْعَلْ حَبْلَكَ أَحَبَّ إِلَيْيَ مِنْ أَنفُسِي وَأَهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ الْيَادِ وَإِلَيَّ۔ اے اللہ تو اپنی محبت کو میری جانب سے میرے اہل زیارت سے اور سنت نے پانی سے بھی تیارہ میری نظر میں محبوب بنتا۔ (ترندی)، آپ راتوں کو آخری عبادت کیا کرتے تھے کہ پائے مبارک پرورم آ جاتا تھا۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ آپ کی یہ عبادت خشیتِ الہی سے ہے، اور چونکہ آپ گناہوں سے پاک کر دیتے گئے تھے اس لئے آپ کو ریاضت شاقدہ کی صنورت نہ تھی۔

اپنے نے اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان عبادتوں کا مقصد محبت الہی ہے، خشیت الہی نہیں۔ اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا و جعلت فی قرۃ عینی فی الصلوۃ میری آنکھوں کی تھنڈک نماز میں ہے۔ صوفیا اور تعلیم اخلاق خدمت خلق کے منفی صرف بہتی نہیں کہ چند بھوکوں کو کھانا کھانا دیا جائے یا چند حاجت مندوں کی ضرورت کو پورا کر دیا، بلکہ اس سے زیادہ اہم کام یہ شہد کہ لوگوں کو براہمیوں سے رد کا جائے اور بھلائی کی طرف بلا یا جائے۔ مسند میں آپ کا ارشاد ہے کہ میں ان لوگوں کو سمجھاتا ہوں جونہ نبی ہیں اور نہ شہید ہیں لیکن قیامت والے دن ان سکھ مرتبہ پرانیا علیہم السلام اور شہدار بھی رشک کریں گے۔ یہ ووگ ہوں گے جو خدا نے واحد سے محبت کرتے ہیں اور خدا ان سے پیار کرتا ہے یہ ووگ بری باتوں سے روکنے والے اور اپنی باتیں بتانے والے ہیں، بنی نوع انسان کے اخلاق کی درستگی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں یعنی پیغمبروں والا کام کرتے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں حین اخلاق کی تکمیل کے لئے سمجھا گیا ہوں۔ قرآن کریم میں پیغمبرانہ فریضہ کے متعلق ارشاد فرمایا گیا ہے: وَيَرِزَّكُهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ یعنی پیغمبران ان پڑھ جائیں کو پاک و صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی باتیں سکھاتا ہے جکت کے یہ معنی لکھے ہیں کہ ہر وہ بات جو تجھ کو سمجھاتے یا تجھ کو تنبیہ کرے یا کسی ایچھی خصلت کی طرف بلائے یا کسی بری چیز سے روکے وہ حکمت اور حکم ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ میں جگہ جگہ انسانی اخلاق کی درستگی کی ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورہ بقر میں ہے کہ نیکی بہی نہیں ہے کہ تم نماز میں اپنا نہ پورب یا پچھم کی طرف کرو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو خدا پر، قیامت پر، فرشتوں پر اور کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود یا خدا کی محبت کے سبب اپنا مال رشتہ داروں، تیمبوں، غریبوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرنے میں صرف کیا اور نماز ادا کر تارہ اور زکوٰۃ دیتا رہا، اور جو دعہ کر کے اپنے وعدے کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبۃ، تکلیف اور جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں یہی لوگ راست باز ہیں۔ ارشاد نبوی ہے کہ مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کا اخلاق سبکے اچھا ہے۔ تمام مذہبی عبادات کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان میں اچھے اخلاق پیدا ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس کی نماز اس کو برائی سے نہ روکے تو ایسی نماز اس کو خدا سے دور کر دیتی ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان ان

حسن اخلاق سے وہ ہر نبہ پاتا ہے جو دن بھر دنہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ تصوف کی تعریفوں کو اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ بیشتر تعریفیں اسی ہیں جن میں تصوف کو اخلاق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مشايخ کے نزدیک تصوف کا مقصد یہ ہے کہ انسان خود اپنے اندر اچھے اخلاق اور دنیا کے بستے والے انسانوں کو مادی بجا ستوں اور آسودگیوں سے پاک صاف کرے۔ بنی نوئ انسان کے ساتھ تعلقات میں شکفتگی پیدا کرنا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا، برلن سے بچانا بھلائی کی طرف بلانا یہ وہ کام ہیں جو عبادت سے زیادہ اہم ہیں۔ حضرت نظیر الدین اولیا فرمایا کرتے تھے کہ بہت نوافل پڑھنا کثرت کے ساتھ درود و خطاوت پڑھنا قرآن مجید کی بکثرت تلاوت کرنا دغیرہ یہ سب کام کوئی مشکل کام نہیں ہیں، ہر یا ہمت شخص کر سکتا ہے بلکہ ایک ضعیف بڑھیا بھی کر سکتی ہے، روزے پر مدد و ملت بھی کر سکتی ہے۔ لیکن مردان خدا کا کام کچھ اور ہی ہے۔

مشايخ متقدمین کی نظر میں تصوف ایک اخلاقی پروگرام کا نام ہے، جس میں اپنے نیز دوسروں کے اخلاق کو سنوارنا زندگی کا سب سے اہم فرض سمجھا جاتا تھا۔ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کا قول ہے کہ تصوف رسوم اور علوم کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق کا نام ہے۔ حضرت شیخ محمد بن قصاب فرمایا کرتے تھے کہ تصوف اخلاق کریمہ کا نام ہے جو بہتر زمانے میں بہتر شخص سے بہتر قوم کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔

حضرت معصوم بن علیؑ بن حسینؑ بن حضرت علیؑ بن ابو طالب کا قول ہے کہ تصوف خواхلاقی کا نام ہے، جو شخص زیادہ با اخلاق ہوتا ہے وہی زیادہ صوفی ہوتا ہے۔

حضرت متعشر فرماتے ہیں کہ تصوف خلق میک کا نام ہے، نیز حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف راہ صدق و اخلاق حسنہ کا نام ہے۔

صوفیائے کرام کے حالات زندگی اور تصوف کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اسلامی تصوف نفوس انسانی کو مادی بجا ستوں سے پاک کرنے اور اعلیٰ اخلاق و اطوار فکر و عمل کو درست کرنے کی کوششوں میں منہک رہا۔ مشايخ متقدمین کے ملفوظات، تعلیم و اخلاق کی سلسلیں کوثر ہیں جن کی خاموش روائی دلوں کو بے اختیار اپنی طرف کھینچتی ہے اور دلوں میں اچھے عمل کا جذبہ اور دلوں جوش مارنے لگتا ہے۔ ان بزرگوں کی کوشش صرف یہ ہی نہ تھی کہ انسان کے ظاہری اعمال درست ہو جائیں بلکہ وہ چاہتے

تھے کہ بُرائی کی سوت ہی بند ہو جائے، انسان کا دل بُرائی کی طرف راغب ہی نہ ہو کہ دل کی نجاست جسم کی نجاست سے بُر جہا ہے۔ اسے۔

حضرت شیخ رکن الدین ملتانی فرمایا اور تھے کہ جماعتِ دو قسم کی ہوتی ہے، ایک جماعت دل کی ایک جماعت بدن کی۔ بدن کی جماعت وہ ہے جو عورت کے ساتھ صحبت کرنے سے حاصل ہوا اور دل کی جماعت نالائقوں کی صحبت سے ہوتی ہے۔ من کی جماعت تو پانی سے پاک ہو جاتی ہے لیکن دل کی جماعت آنسوؤں سے ہی دھونی جائتی ہے۔ اسی بنا پر علماء ظاہر احکام و شرائع العبادت کے ظاہری معنی لیتے ہیں بلیکن علماء باطن کا فقط بگاہ دوسرا ہے۔ مثلاً نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ علماء ظاہر کے نزدیک طہارت جسم ذلباس کافی ہے، بلیکن صوفیاء کرام کے نزدیک اس کا مقصد دل دروح کی پاکیزگی و صفائی ہے۔ رونہ علماء ظاہر کے نزدیک فاقہ کا نام ہے۔ بلیکن اللہ کے نزدیک توجہِ ای اللہ اور خدا کے سوا کسی طرف نظر نہ کرنے کا نام ہے۔ بہر کیف تصور ایک بڑی نعمت ہے جس کی قدر کرنے والے دھی لوگ ہوئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلاوتِ ایمان بخشی ہے۔

تصوف کی ہمہ گیری

تصوف ابتداء سے ہے اور آخر تک رہے گا کسی زمانے میں اس نے خود جاصل کیا اور کسی میں زوالِ تفصیل کا موقع نہیں، اتنا لکھ دنیا کافی ہے کہ ہر قوم ہر مذہب اور ہر زمانے میں اس کا وجود رہا ہے۔ البتہ صورتیں مختلف ہیں۔ ہندوستان میں دھیان گیان تصوف کے سوا اور کچھ نہیں ان میں جس دم ہے لطائف کی بھی کچھ صورتیں ہیں تصووف کے بھی کچھ آئیں ہیں۔ روشنی چاند نی جیسی ہے، جسے وہ شیتل جوت کہتے ہیں۔ تصوف میں بس ان کی ترقی محمد در ہے۔ عیسائیوں میں بھی ردمن، کیتھولک کے یہاں تعنوں موجود ہے، وہ بھی مختلف طریقوں سے مجاہدہ کرتے ہیں، جس دم میں بھی پرداز کر لیتے تھے مگر اب ان میں سے یہ قوت جاتی رہی۔ تصووفنا بھی ہے مگر قدرے روشنی سرخ رنگ سے ہے جو شہداء کے خون کے ہر نگاہ سے ہے۔ پادری نوگاہ اسے بہت مخفی رکھتے ہیں۔ یہ دردار جیلوں میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ لیکن جونکہ نبوت کا فوکس ہٹ گیا ہے، اس لئے کہیں کامل ترقیِ نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں میں بفضلِ تعالیٰ تصوف پوری ترقیات کے ساتھ موجود

ہے بلکہ تحقیقی صوفی گنائی کا باادہ اور ہے ہوئے پوشیدہ زندگی بس رکر رہے ہیں۔ اسلام میں فنا، بقا، کشف، شہود، لطائف روشنی، تصور و درپرواز سب کچھ موجود ہے۔ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ میں روشنی کے رنگ مختلف ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ میں آنتابی رنگ ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہوا ہے اس وقت لطائف کا اجرا صرف سہروردیہ اور نقشبندیہ سلسلوں میں ہی ہے۔ نقشبندیہ سلسلے میں تعلیم قلب موجود ہے بلکہ یہ کیاں حالت تقدیر والوں ہی کو رہتی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ بہت بڑا سلسلہ ہے اور اس سلسلے میں بڑے بڑے پائے کے بزرگ ہیں۔

تصوف عہد رسالت میں

كتب تصوف میں تصوف کی ابتداء سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسوب کی جاتی ہے بلکہ اکثر سلاسل طریقت کا سلسلہ علی الترتیب سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔ تصوف سے متعلق تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزغہ کفار سے مجبور ہو کر مدینہ منورہ پہنچے ہیں تو جو لوگ اس سال کے اندر مدینہ منورہ پہنچے ان میں بہت سے صحابہؓ ذوق و شوق کے ساتھ عبادات الہی میں مصروف ہو گئے۔ ان میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ بھی تھے جحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہلیت دیکھ کر انہیں تصوف کی تعلیم دی شروع کر دی، جس کے لئے خاص مجالس کا اہتمام تھا۔ چنانچہ بہت سے صحابہؓ بڑے بڑے روحانی مراتب پر پہنچ گئے اور بہت جلد پہنچ گئے۔ اس لئے کہ وہاں تو مبادیات کی تعلیم کے بعد ابتداء ہی فنا فی الرسولؐ سے ہوتی تھی۔ قلوب آئینہ تھے پھر تعلیم وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، بکثرت صحابہؓ درجہ ولایت پر فائز ہو گئے۔

سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت دی اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو تعلیم تصوف دے کر خلیفہ بنایا اور حضرت اولیس قرنیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فیوض حاصل کئے ہیں۔ ان تینوں بزرگوں کو بارگاہ نبوت سے خلافت عطا ہوتی تھی۔

تصوف زمانہ ما بعد رسالت

حضرت اولیس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنہ ۷۲۵ھ مطابق سنہ ۱۳۴۵ء میں ایک خاص طریقہ تصوف کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد حضرت شیخ اموان نے سنہ ۷۴۹ھ مطابق سنہ ۱۳۶۸ء میں جدہ کے اندر سجادہ تصوف آراستہ کیا۔ ذکر و شغل کے آسان طریقے پیدا کئے۔ ہزاروں لاکھوں افراد آپ کے حلقة ارادت میں شامل ہو کر آپ کے بیعت ہوتے۔ دوسری طرف حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابتداء ہی سے سلسلہ روحاںی جاری کر رکھا تھا، جس میں حضرت داؤد طافیؒ، حضرت ہبیل نشتریؒ، حضرت جبیب عجمیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت مولانا شبیلؒ جیسے مشاہیر صوفیا اور اہل اللہ شامل ہوتے گئے۔ آخر حضرت جنید بغدادیؒ نے تصوف کے آئین مدقون کئے۔ اس سے پہلے جو کچھ علم دی جاتی تھی وہ زبانی تعلیم پر تھا۔ یہ مضمون بہت تفصیل کا طالب ہے، طوالت کے خوف سے اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

شیعہ، وہابی اور اہل حدیث وہ فرقہ ہائے اسلام میں جو تصوف کے قائل نہیں۔ لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ شیعوں کے بعض محترم بزرگوں نے بھی ترکیہ باطن کیا ہے اور مقام ولایت پر بھی فائز ہوتے ہیں۔ تیمور نے جب سلطان یا زید یلدرم پر یورش کی ہے تو شاہ عباس صفوی کو (جو سلسلہ طور پر شیعہ تھے) مراقبہ میں دیکھا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کے صوفیانہ حالات اور خرق عادات بھی معرض تحریر میں آتے ہیں۔

علامہ نصیر الدین طوسی اور صاحب مدرہ نے بھی تصوف کے متعلق نہایت فلسفی اور حکیمانہ خیالات ظاہر کئے ہیں جنہیں صاحبِ مجمع البحوث نے علی الترتیب نقل کیا ہے۔ علامہ علی نے بھی تصوف کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے کہ تصوف مخالف گرد ہوں کے بزرگوں میں بھی نفوذ کئے بغیر نہ رہا، جہاں گھیاد ہاں عزت و احترام کے سامنے رہا۔

تصوف اور آئین تصوف

دولایت و عرقان تو پھر بعد کی باتیں ہیں۔ لوگ ہر زمانے اور ہر عہد میں نبوت سے امکان کرتے رہے ہیں اور جس طرح لوگ انبیاء علیہم السلام سے اسکار کرتے رہے ہیں اسی طرح ہر عہد میں مخصوصین و اولیائے کرام کے بھی ملکر رہے ہیں، اورہ بڑی بڑی

مخالفیت کی ہیں۔ علامہ ابن بوزی جیسے زبردست اور مشہور محدث نے بھی بڑے زور شور سے بڑے بڑے اکابر اولیاء کرام حثیٰ کہ حضرت جنید بغدادی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے ائمہ طریقت پر بھی حملے کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ ان متصوفین نے بساط شریعت کو الٹ کر رکھ دیا ہے۔ کاش یہ لوگ طریق عمل اختیار نہ کرتے۔ یہ سب کچھ محض غلط فہمی اور حقیقت ناشناسی پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ آخر الامرا نہیں مخالفین میں بہت سے ایسے تھے جنہیں اپنے تحریر علمی اور غور شریعت پر دری کے باوجود تصور کی عظمت و صداقت کے اعتراف پر مجبور ہونا پڑا۔

چنانچہ امام عبد الداود شعرانی جیسے فاضل نے اپنی مشہور تصنیف "موقع الانوار" کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ صوفیا کرام کے خلاف ہر زمانہ اور ہر عہد میں سرگرمی دکھائی جاتی رہی ہے جس کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ جس مقام درجہ تک یہ لوگ ترقی کر جاتے ہیں وہاں تک عامۃ الناس کی عقل کا طائر پرواز نہیں کر سکتا۔ ان کی عقلیں اسے سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ صوفیا کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ان حلوب اور بگارشوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتے بلکہ چنان کی طرح اپنی جگہ قائم رہتے ہیں۔ حضرت امام نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں تصور و طریق تصور کے متعلق بھی ول چپ بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ متصوفین کا طریق اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ انبیاء و اوصیا کے قدم پر قدم چلتے ہیں۔ ان کے طریق کو اس وقت تک ہر چون مذموم قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک کہ یہ صریح آیات و احادیث اور اجماع امت کے معاشر و منافق نہ ہو۔ اگر کوئی امر ان ہر سے معیار میں سے کسی معیار کے خلاف نہ ہو تو کوئی اس کے فہم سے قاصر ہو تو اس کے ترک و عمل دونوں کا اختیار حاصل ہے، لیکن اس سے ایک ساتھ منکر ہی ہو جانے کی توجیہ تو سوئے ظن کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہو سکتی۔ تصور سے مراد وہ نورِ حلم ہے جو کتاب و سنت پر انتہائی شدت و کمال کے ساتھ عمل کرنے سے اولیاء اللہ کے قلوب میں جگہ کاٹتا ہے۔ جو کوئی بھی کتاب و سنت پر ظاہر اور باطنًا ہر دو طریق پر عمل کرے گا اور کمال انتیاع کا ثابت حاصل کرے گا اس پر بھی معارف و اسرار اور وقاوی و حقائق کیلئے شروع ہو جائیں گے۔ یقیناً وہی حقائق و اسرار کھلیں گے جن کی تعریف و تبیین سے امام جو ہمارے ہمراہ تھے۔ ترک بھی تجویز کے تھوڑتکاب و سنت ہی پر کاملہ عمل کا تھرہ شیروں ہے جسکی وجہ سے اس کا فرق ہے۔ ترک کام

ہے جس سے صحت و کلام کی استعداد حاصل ہوتی ہے، لیکن علم معانی میں مسائل ذوقیہ کا بیان ہوتا ہے، جس سے صرف ذوق سلیم ہی استلزم اذکر سکتا ہے تصور کی حالت علم معانی جیسی ہے۔ اس کی حقیقت سے صرف اہل ذوق ہی کسب لذت کر سکتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص علم معانی کو عین سخون کہہ دے تو غلط نہ ہو گا۔ ساتھ ہی اگر دہ اعتباری طور پر اس میں کچھ فرق کرے تو بھی اسے صحیح ہی سمجھا جائے گا۔ اسی طرح تصور یا تو عین شریعت ہے یا نتیجہ پابندی شریعت۔ پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ ہر شخص تصور کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔

فقہ و تصور کی بگانگت

جس طرح علامے کتاب و سنت نے غور و فکر کے بعد استنباط تاج کر کے جزئی مسائل اور فرعی احکام اخذ کر لئے اور اسی چیز کا نام فقه رکھ دیا اسی طرح خداریہ داؤفان شریعت نے کتاب و سنت ہی سے استخراج کر کے تصور کو منظم کیا اور ارادتمندان طریقہ کے لئے آداب و شرائع قائم کئے۔ جسمانی و دینیوی ترقی کے لئے جس طرح علم فقه ضروری ہے اسی طرح روحانی و عرفانی تشدد و ارتقاء کے لئے تصور لازمی اور ضروری ہے۔ دونوں کا بنیع کتب و سنت ہے اور دونوں ہی اپنی جگہ نہایت ضروری ہیں۔ مجتہد اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے اور صوفی اپنے کشف و ذوق سے۔ امام شافعی نے اس پر ایک سیر حاصل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ مجتہدین شریعت اور مجتہدین طریقہ سب کے سب صداقت شعار اور راست بازاں ہوئے ہیں۔ اہل اللہ کے علوم بھی شریعت عزاء اسلامیہ سے جدا چیز نہیں ہوتے، اور یہ ہو بھی سکتا ہے اس لئے کہ شریعت ہی توان کے وصول الی اللہ کا ذریعہ ہے۔

حضرت جنید بغدادی خود فرماتے ہیں کہ ہم اہل تصور کا علم کتاب و سنت ہی سے محکم و استوار کیا گیا ہے۔ اس علم سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جو شریعت اور علم شریعت سے پوری واقفیت و آہمی رکھتا ہو۔ صوفی کے لئے کتاب و سنت کے علم کی بھی کافی ضرورت ہے۔ حضرت جنید بغدادی اس منزل کی رسم و راہ کا اعلان اس طرح کرتے ہیں کہ یہ راہ تصرف وہی پاسکتا ہے جس کے سیدھے ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیس ہاتھ میں سنت مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم، اور دونوں چراغوں کی روشنی

میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شیبہ کے گذھے میں گرے نہ بدعت کے اندر ہیرے
میں پھنسے۔

حضرت شیخ ابو بکر طمتانیؒ فرماتے ہیں کہ راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب و
سدت ہمارے سامنے ہے، حضرت شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ المعروف بہ دانتا گنج بخش
روحانی ترقی کے لئے اتباع شریعت کو لازمی قرار دیتے ہیں اور اتباع شریعت کی ایسی
جماع تعریف کرتے ہیں کہ اجماع امت کا اتباع بھی اس کا ایک لازمی جز دین جانا ہے
فرماتے ہیں کہ پہلا رکن شریعت میں کتاب اللہ ہے، جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قرآن
مجید میں آیات محکمات ہیں کہ وہ اصل کتاب ہیں اور دوسرا رکن سنت ہے جیسا کہ فرمایا
جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس پر عمل کرو اور جس بات کو منع فرمایا
ہے اس سے بچو، اور تیسرا رکن اجماع امت ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ میری امت مگر ابھی پر جمع نہیں ہوتی ہے اختیار کرو سواداغظم کو۔

حضرت امام قشیریؒ اور تصوف

حضرت امام قشیریؒ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسلام پر آج تک کوئی ایک
زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا جس میں اس زمانے کے بڑے بڑے متاجر اور فاضل علماء نے اپنے
وقت کے شیخ کامل کے سامنے زانوئے ادب تھہ کر کے اس سے استفادہ و استفادہ نہ کیا ہو
اگر متصوفین میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی کوئی کمال نہ ہوتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا غور کچھ ہے کہ ان
بزرگوں کے تحریکی کی شان کیا تھی اور یہ اپنی بصیرت عقلی اور کشف قلبی کے ذریعہ سے
کیے کیے نازک مسائل آن کی آن میں حل کر کے رکھ دیتے تھے۔ اس طرح فضلاً وقت پر
اپنی صداقت و حقانیت کا سکھ جمادیتے تھے۔

حضرت شیبانؒ اور حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام احمد بن شافعیؒ نے اس عہد کے شیخ کامل اور قطب وقت حضرت
شیبان راعیؒ سے پوچھا کہ یہ تو فرمائیے کہ آپ اس شخص کی نسبت کیا فتویٰ دیں گے جو ایک
وقت کی نماز پڑھنا بھول گیا اور یہ بھی بھول گیا کہ وہ کون سے وقت کی نماز تھی، حضرت شیبانؒ
نے جواب دیا کہ ایسا شخص اللہ کے ذکر سے غافل ہو گیا ہے اس لئے اس کو نسبیہ و تہذیب کرنا

ضروری ہے۔ حضرت امامؐ نے کہا کہ صحیک ہے آپ را حق اختیار کئے ہوئے ہیں۔

حضرت ابو حمزةؓ کی شان اجتہاد

حضرت ابو حمزةؓ بغدادیؓ بڑے پائے کے بزرگ گذرے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص علم طریقت حاصل کر لیتا ہے اس پر راہ سلوک آسان ہو جاتی ہے۔ یہ دہ علم ہے جو عاف کو تعلیم الہی سے حاصل ہو اکرتا ہے، اور جو شخص عقلی استدلال کے تھی پڑتا ہے وہ ایک حالت پر کبھی نہیں رہ سکتا۔ کبھی صحیک چلے گا اور کبھی مگر اہ ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ دہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال طریقت کی مخالفت سے بھی بازنہ رہ سکے گا۔ حضرت امام احمد حنبلؓ کا قاعدہ تھا کہ آپ کمالات علمی کے باوجود دقیق سے دقیق مسائل میں آپ سے استفادہ کیا کرتے تھے اور نازک کے نازک مسئلہ کو بنظراً استفسار بھیج دیا کرتے تھے، اور حضرت شیخ جو کچھ جوابات دیتے تھے ان سے پورے مطہن بھی ہو جاتے تھے۔

حضرت چنید بغدادیؓ کا اثر مصاحدت

امام ابوالعباس بن شریح بہت بڑے عالم تھے ہتصوفین سے گونہ کر رکھتے تھے۔ وہ ایک بار حضرت بغدادیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان پر بہت اثر ہوا۔ جب وہ جانے لگے تو فرمانے لگے کہ اس شخص کا کلام بہت دقیق ہے، جس کا سمجھنا آسان امر نہیں۔ ہاں ایک بات اور بھی ہے، مجھے اس شخص میں غیر معمولی حشمت و شوکت پہنہاں نظر آتی ہے، اور اب میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ چیز کبھی جھوٹے مدعا کو حاصل نہیں ہو سکتی، البتہ وہ حق پر ہے۔

حضرت شبیلؓ کا امتحان

حضرت علامہ ابو عمران اپنے وقت کے بہت بڑے محدث و عالم تھے، اہل اللہ کے طریق کو خلاف شریعت سمجھتے تھے اور ہمیشہ ان کے خلاف اپنی زبان و قلم کو حرکت دیتے رہتے تھے۔ اس زمانے میں حضرت شبیلؓ کے عرفان و کمال کا شہرہ تھا۔ علامہ نے اپنے زعم شجر علمی میں چند نہایت دقیق اور چنیدہ مسائل آپ کے پاس حل کرنے کو سمجھے اور آپ کی قابلیت کا امتحان لینا چاہا۔ یہ مسائل عورتوں کے جیض و نفاس سے متعلق تھے۔ آپ نے ان کا جواب دیا اسے دیکھ کر علامہ حیرت میں رہ گئے اور اعتراف کیا کہ آپ نے وہ باتیں پیش

کی ہیں جن کا علم اس سے پہلے مجھے بھی نہ تھا۔

حضرت شیخ عز الدین محدث کا اعتراف

شیخ عز الدین محدث مشاہیر علماء میں سے تھے۔ پہلے آپ کو بزرگوں سے نہایت تعصُب و عداوت تھی اور زور شور کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ یہ ایک بدعت و گمراہی پھیلانے والا فرقہ ہے۔ کیا کتاب و سنت کی پریروی کے علاوہ کوئی اور طریقہ بھی اسلام میں حق قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج بھی بہت سے لوگ یہی کہتے ہیں، حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ ان کے پاس بھی کتاب و سنت ہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ احکام کا مقتضا باطن میں پیدا کرتے ہیں اور دوسرے لوگ مخصوص رسم و عادت کی عبادات بجالاتے ہیں متصوفین کا ایک لمبھ بھی اللہ کے ذکر کے بغیر نہیں گذرتا اور دوسرے لوگ علماء و مجتہدین پابندی صوم و صلوٰۃ کے باوجود غافل پڑے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ میاٹ (مصر) میں علامہ شیخ تقی الدین، علامہ شیخ مکین الدین محدث اور بڑے بڑے محدثین و فقہا ایک مجلس میں جمع تھے۔ شیخ عز الدین محدث کو بھی اس مجلس میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔

اسی اثنام میں امام قشیری کے رسائل تصوف کی بعض عبارتوں کے متعلق بحث شروع ہو گئی۔ اتنے میں حضرت شیخ ابوالحسن شاذمیؒ بھی تشریف لے آئے، چونکہ آپ مشائخ وقت میں سے تھے۔ سب نے استدعا کی کہ آپ اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس مجلس میں اتنے جلیل القدر علمائے کتاب و سنت موجود ہوں وہاں میرے زبان کشا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر بڑے اصرار پر آپ تشریع کرنے جو کھڑے ہوئے تو ان مقامات کی ایسی وضاحت کی کہ شیخ عز الدین بے اختیار پکارا تھے، سنو، سنو یہ وہ کلام ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نازل ہوا ہے، اور جس سے کہ انوار حقائقیت صاف چکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس کے بعد شیخ عز الدین محدثؒ جب تک زندہ رہے اولیائے کرام کے غلام بنے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ اہل حقیقت ہیں اور دوسرے ایران رسم و عادت ہیں۔ جن حقائق کی ان تک رسائی ہے دوسرے بار شرکت ایں پڑھ کر بھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت امام احمد حنبلؓ کا اعتراف

حضرت امام احمد حنبلؓ بھی ابتداء میں صوفیا و اولیا کے بہت مخالف تھے۔ اپنے بیٹے کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ دیکھنا بھی ان لوگوں کی صحبت میں نہ دیکھنا جو صوفیا کہلاتے ہیں، کیونکہ یہ شریعت سے بے بہرہ دبے خبر رہتے ہیں۔ صرف علم حدیث پر توجہ رکھنا۔ لیکن جب آپ حضرت ابو حمزةؓ کی صحبت میں بیٹھنے لگے اور آپ کی کیمیا اثر نظر نے قلب کو منور کرنا شروع کیا، تو آپ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ دقائق شریعت بھی آپ سے حل کرانے لگے۔ پھر تو آپ نے بیٹے کو نصیحت کرنی شروع کی کہ دیکھنا کہیں ان لوگوں پر جنہیں صوفیا کہتے ہیں سوئے زن نہ کرنا، ان کی مصاحبت سے غافل نہ ہونا۔ کیونکہ یہ اسرار و معارف کے ان خزانوں پر دسترس رکھتے ہیں جن سے ہم لوگ محدث ہونے کے باوجود بے بہرہ ہیں۔ یہ لوگ ان حقيقی علوم خشیت و اخلاص اور زہد کے حامل ہیں جنہیں علمائے فقہ و حدیث اپنے سینکڑوں دفاتر سے بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ آخر میں آپ نے بھی فتحی مدارج حاصل کر لئے اور بڑا درجہ پایا۔

علامہ ابن حوزی محدث کا اعتراف

علامہ ابن حوزیؓ حدیث و تفسیر میں امام زمانہ تھے۔ جمال الحفاظ ان کا خطاب تھا علم حدیث، علم تاریخ اور علم الادب میں آپ کی بڑی بڑی گران پایہ تصانیف موجود ہیں۔ علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ان کی تصانیف احاطہ و اندازہ سے زیادہ ہیں یعنی مورخین کا قول ہے کہ علامہ نے وصیت کی تھی کہ جن قلموں سے احادیث لکھی ہیں ان کا زانہ جمرے میں پڑا ہوا ہے، مرنے کے بعد اسی سے گرم شدہ پانی سے مجھے غسل دیا جائے۔ تراشہ اتنا تھا کہ پانی گرم ہونے کے بعد بھی پچ رہا۔ آپ سنہ ۵۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۵۵۹ھ میں وفات پائی۔ بغداد میں مدفن ہوتے۔ آپ حضرت غوث الاعظمؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ ہمیشہ حف سے خلاف بولتے رہتے تھے اور لکھتے رہتے تھے طعن و تشیع سے کام لیتے تھے بسا اوقات تو سخت سست اور دل آزار افاظ بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ صرف حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے خلاف، بلکہ علامہ جملہ مشائخ دصوفیا کے خلاف ہی سختی و درشتی سے کام لیتے رہتے تھے۔ فلسفہ و تعلوٰ کے امام حضرت امام غزالیؓ بھی آپ

کے قلم کی زد سے محفوظ نہ تھے۔

ایک مرتبہ حضرت علامہ ابن جوزی حضرت غوث پاک کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ آپ قرآن کریم کے ترجمہ کا درس دے رہے تھے۔ قاری نے ایک آیت پڑھی، آپ نے اس کے معنی بیان کرنے شروع کئے۔ حافظ ابوالعباس علامہ کے ساتھ (۱۱)، وجہ و معانی تک حافظ علامہ سے دریافت کرتے چلے گئے کہ آپ کو یہ علوم ہے ہاں کا آپ کو علم ہے ہاں علامہ برابرا ثبات میں جواب دیتے رہے جحضور غوث اعظم نے پوری چالینس توجیہ اور معانی پیش کئے اور ہر ایک درجہ اس کے قابل سے منسوب کرتے چلے گئے۔ اب علامہ نے نفی میں جواب دنیا شروع کیا۔ آخر قلب پر ایسا اثر پڑا کہ بے اختیار ہو گئے اور کہنے لگے: ہم قائل کو چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کرتے ہیں کا الہَا کَاللَّهُ، محمد الرسول اللہ۔ اس کے بعد آپ نے کپڑے پھاڑ دیے، اور تمام مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ اب یہ بھی خاک در غوث اعظم تھے، اور وہ زبان جو تصوف و ولایت کے خلاف خنجر کی طرح چلتی تھی، خاموش ہو گئی۔ دلائِم الحجرا ہن بحثۃ الاسراء

الغرض ہر مکان اور ہر زمانہ میں یہ مخالفتیں ہوتی رہی ہیں۔ دہلی میں حضرت شیخ جلال الدین تیرینیؒ کے خلاف عہد المنش میں سعید الدین نے قاضی القضاۃ نے زنا تک کا الزام لگادیا تھا۔ بعد میں خود ہی منفعل ہوا اور نوکری بھی چھوڑ دی حضرت بابا فردیندشکر حضرت قطب الاقطاب اور حضرت سلطان المشائخ کی مخالفتیں تو شاہان وقت تک کی طرف سے برابرا و مسلسل ہوتی رہیں۔ دہلی بھی ایسے ایسے بڑے معز کے دیکھ چکی ہے ہرگز سارے مخالف ہمیشہ منه کی کھاتے رہے۔

تصوف کی تنظیم و ضرورت

حضرت امام شافعیؒ جیسے فاضل و فقیہ کا قول ہے کہ صوفیاً کے کرام کی اصطلاحات کا جانتا ضروری ہے تاکہ وہ ان سے ان علوم سے استفادہ کر سکیں جنہیں وہ نہیں جانتے۔ سوال ہو سکتا ہے اور ہو کیا سکتا ہے اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ ایسی ہی ضروری چیز تھی تو صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین نے کیوں اس کی طرف توجہ نہ کی اور وہ کبھی نہ دیگر علوم کی طرح تصوف کے بھی آئین و اعمال مرتب کر گئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ خیر القرون تھا، برائیاں اور معاصری عام نہ ہونے پائے تھے۔ عام مسلمان کتاب

سنت سے عشق رکھتے تھے۔ سنت کے خلاف ان کا ایک قدم بھی نہ اٹھتا تھا جب یونانیوں کے فلسفہ اشراق نے مسلمانوں میں فلسفیت کے رنگ کو پھیلانا شروع کیا تو فلسفہ ان پر غلبہ پانے لگا۔ انوارِ نبوت کی تابعی قلوب میں کم ہونے لگی، تو علمائے ربانی نے جو پسلے سے موجود تھے، روامیں باطنی اور بخارات قلبی کے اندفاع کے لئے نوازم تزکیہ و تصفیہ مہیا کئے ذکر و شغل وغیرہ کے طریقے بنا کے۔

تصوف کو تنظیم کیا، اس کی تنظیم کے لئے ضرورت تھی کہ اس کے نوازم دائرے اور درد و شغل کے متعلق کتاب و سنت سے مستباقاً کئے جانتے اسی طرح جس طرح تمدنی حضروں نے فقہاء کو فقہ کی تنظیم اور کتاب و سنت سے استخراج نتائج پر آمادہ کر دیا تھا۔ خیر القرون میں تصوف کیا، فقہ بھی موجود نہ تھی نہ صرف و سخون تھے نہ بیان و معافی نہ احادیث کا مرتب ذخیرہ تھا اور نہ تفاسیر تیار موجود تھیں۔ ہر مسلمان حسب ضرورت کتاب و سنت سے نتائج اخذ کر لیتا تھا۔ علوم و فنون مذہبی کی تدوین و تنظیم دوسری تیسرا صدی میں شروع و ختم ہوئی ہے، پھر تصوف ہی پر کیوں اعتراض ہے۔ جیسے جیسے جس چیز کی ضرورت پیدا ہوئی گئی وہی معرض وجود میں آتی گئی تصوف کی تنظیم بھی ضرورت ہی اقتضا تھا۔

حضرت امام قشيریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ امراض باطنی کے تولید و ظہور کا زمانہ پیری جماعت کے آخری دور کا زمانہ ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین امت میں سکر زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جوان کے بعد ہوں گے، پھر وہ جوان کے بعد ہوں گے جن کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ہو وہ واقعی بہترین امت ہوں گے اور ظاہری و باطنی جیسے کمالات بھی ان میں جمع ہوں گے۔ جب آفتابِ نبوت کے غروب ہونے ہونے کے بعد بالکل ہی اندھیرا ہو گیا تو مقدس نفس انسانی کو خرابیوں کے انسداد کی طرف رجوع ہونا پڑتا۔ یہی لوگ متصوف تھے یہی ولی اور یہی شیخ۔ علمائے ظاہر تو ظاہر پر حکم لگاتے تھے ظاہری اصلاح کر سکتے تھے، باطنی سجاستوں اور گندگیوں کو دور کرنا ان کے لیں کاروگ نہ تھا، یہ شیوخ و مرشدین کا کام تھا۔

اگر انسان کے لئے باطنی صفائی و تطہیر کی ضرورت ہے تو شیخ کامل کی ضرورت ہے جسی انسکار نہیں کیا جا سکتا۔ متاخرین میں حافظ، علامہ ابن حجر عسکری پائے کے حدیث و عالم گذرے ہیں۔ بخاری شریعت کی شرح فتح الباری انہیں کی لکھی ہوئی ہے۔ آپ بھی یہی فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ وہ کسی شیخ کامل کو اپنا۔ ہیر بناء اور منکرین و متعجبین

کی باتوں کی پرواہ ہرگز نہ کرے اور نہ ان کی سنبھلیں بلکہ یہ خیال رہے کہ شیخ عارف کامل ہو، ساتھ ہی وہ احکام شریعت سے بھی واقع ہو۔ طالب کو چاہئے کہ وہ اس اسلام پر نور نہ دے جو محض رسماں دعاءات پر مبنی ہو کر رہ گیا ہے، اپنے شیخ کے حکم پر چلے جب کسی کو کوئی ایسا شیخ نصیب ہو جائے تو پھر اس پر اس کا چھوڑنا حرام ہے۔

آگے چل کر آپ نے لکھا ہے کہ ”ہمارے اس دعوے پر نہ صرف کتاب و سنت اور جماعت اور قیام صحیح چاروں شہادت دے چکے ہیں بلکہ چاروں آسمانی کتابیں اس دعوے پر شاہد ہیں“ حقیقت میں درست الائیا“ بھی یہی لوگ ہیں۔

مسندِ نبوت کے دارث

اولیاء اللہؐ نکہ مسندِ نبوت کے صحیح دارث ہیں، اس لئے لازمی ہے کہ ان کی بھی مخالفت ان کی اصلاح کی سعی کے دوران میں کی جائے بعض متأہیر صرف ہم عصر ہونے کی وجہ سے انکار کرتے رہے ہیں۔ کیونکہ اہل کمال اپنے ہم عصروں کے کمال کا اعتراف ہمیشہ سے کم ہی کرتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ صوفیاء کرام اولیاء عظام سے انکار کسی نہ کسی شرعی جدت پر کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن علامہ ابن تیمیہ علامہ ابن جوزیؓ کی مصنفات پر صوتوصاف معلوم ہو گا کہ وہ ان امور پر اعراض کر رہے ہیں جنہیں وہ سمجھے ہی نہیں رہے ہیں بثلاً کشف شہود، فتاویٰ بقا، پاس و انفاس، نقی و اثبات، ناسوت و ملکوت، جبروت و لاموت، اسماء و طائف وغیرہ۔ بخلاف محدثین و فقہاء انہیں کیا سمجھے سکتے ہیں۔ یہ احکام کے جواز و عدم جواز کو بتا سکتے ہیں، اس کے معتقدات سے بحث کر سکتے ہیں۔ مقامات سلوک کو یہ کیا سمجھیں گے۔ ذہونڈو گے بھی تو معتبر فیضین میں ایک بھی ایسا نہ نکلے گا جو صاحبِ کثافت و باطن ہو۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انہیں ان مقامات کا علم ہو، لیکن اہل اللہ اور عارفین کا گذران مقامات پر ہوتا ہے۔ پس شکرین و محدثین و فقہاء کا انکار کرو بنا اسلام تصوف کی تکذیب کا باعث نہیں بن سکتا۔

زمانہ حال اور تصوّف

ہیں اعتراف ہے کہ یہ زمانہ بہت پر آشوب ہے اور مشائخ اولیاء اللہ کی عزت دیکھ کر بہت سے غرض مندوں نے تصوف کا بیادہ پہن لیا ہے۔ جو صاحب سجادہ ہیں ان

میں بھی غالباً اکثریت ان لوگوں کی ہے جنہیں شریعت و طریقت سے کوئی بہرہ نہیں۔ وہ ایسے امور پر زور دینے لگے ہیں جنہیں شریعت اسلامیہ سے کوئی تعلق نہیں۔ عوام انسان کی ذہنیت بھی بُلڑا گئی ہے۔ پیروں اور مریدوں دونوں کے کام میں شیطان نے یہ کھونک دیا ہے کہ سلوک و طریقت کتاب و سنت سے علیحدہ چیز ہے۔ متقدِ میں کا تو یہ شعار تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل نہ کرتے تھے جو احکام شریعت سے ناواقف یا بے بہرہ ہوتا تھا۔

پھر سب سے اہم امر یہ ہے کہ ان کی مجالس میں کتاب و سنت کے سوا اور کوئی ذکر نہ ہوتا تھا، اور وہ تمام مریدوں کو احکام شریعت کا پابند بنانے کی سعی کرتے تھے۔ اسے کچھ بھی نہ ملتا تھا جو پابند شریعت نہ ہو۔ گویا اس زمانے میں کچھ ملنے یا رفعی ترقی اور تذکرہ نفس کی طرف قدم اٹھانے کی پہلی شرط پابندی شریعت ہوتی تھی۔

مجالس اسرار و معارف

اسرار و معارف بیان کرنے کے لئے مخصوص مجالس ہوتی تھیں، ان میں خاص خاص مریدوں اور صاحب استعداد ارادت مندوں کے سوا کسی کا گذرنہ ہوتا تھا سلوک طریقت کوئی مذاق نہیں، معمولی چیز نہیں۔ یہ ایک رتبائی دولت ہے، جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے اسی کو ملتی ہے کتنے لوگ ہیں جو دریوی درباروں میں شمولیت کی عزت حاصل کرتے ہیں، پھر دربار الہی تو شہنشاہ حقیقی کا دربار ہے، وہاں ہر کہ مہ کا گذر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ جب باطن کی پوری صفائی اور نفس کا تذکرہ ہو لیتا ہے، انسان ظاہر و باطن میں کتاب و سنت کا عامل ہو جاتا ہے، تو گویا وہ اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ اسے طریقت کی ابجد کا سبق پڑھایا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت و سمع ہے جب وہ دینے پر آتا ہے اور کسی پر ہر بان ہوتا ہے تو اسے کسی ضابطہ آئین کی پرواہ نہیں رہتی۔ لمحوں میں سارے مراحل طے کر لئے جاتے ہیں۔ جیسے یہاں حکومت کسی پر ہر بان ہو اور اسے میڑک سے مستثنے کر کے یا اس کی سندات کی پرواہ نہ کر کے بڑے سے بڑا عہدہ دے دے۔ لیکن طریقہ ہی ہے کہ علم حاصل کر کے گریجویٹ بنے سند پیش کر کے امیدوار بنے، اس کے بعد میں ملازم ہو کر درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہوا انتہائی مدارج پر فائز ہو۔ یہی صورت تصوف کی ہے۔

پہلے مرید کو شریعت حقہ اسلامیہ کا پابند بنا دیا جائے اور اسے لغزش نہ کھلنے دی جائے یہ امتحان کا امتحان ہے۔ جب تذکیرہ باطن ہو جائے تو یہ گرجو ہوئی ہے۔ اب آگے اس کا شوق ہے۔ اگر اس میں اہمیت ہے اور شرق تو مجاہدات ریاضات سے اس میں تدبیر اور کسب انوار کی اہمیت پیدا کی جائے۔ اس کے بعد اس کی روحانی تعلیم متروکہ کی جائے۔ آج یہ کوئی بات بھی نہیں محض ایک نام رہ گیا ہے۔

شیوخ دادلیا کرام نااہلوں کے سامنے کبھی معارف و اسرار بیان نہ کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی طریقہ تھا۔ عام صحابہؓ کی مجلس میں سب کو کیاں تعلیم ہوتی تھیں، اور خاص خاص صحابہ جمع ہوتے تو ان کے سامنے معارف و اسرار بیان کئے جاتے جس کے حضرت خواجہ معین الدین حشمتیؓ اپنے ایک مکتوب میں حضرت خواجہ قطب الدین کو تحریر فرماتے ہیں:

”ایک بار ایک مجلس میں حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت بلاؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور کئی اجل صحابہ موجود تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اركان پنجگانہ اسلام کے مفصلہ، فیل حقائق و اسرار بیان کرنا شروع کئے۔ اتنے میں سیدنا حضرت عمر فاروقؓ سامنے آتے ہوئے نظر آئے جس نے حضور خاموش ہو گئے صحابہؓ کے دریافت کیا کہ کیا حضور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کو بتانا نہیں چاہتے۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ فیل کا لقہ مور کو نہیں کھلایا جاسکتا، جو تم سے کہہ رہا ہوں وہ ان سے نہیں کہہ سکتا۔“

اس وقت حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کا سبق شروع ہوا تھا اور مذکورہ بالا بزرگ بہت آگے نکل گئے تھے۔ بزرگان دین کی مجالس خاص بھی انہیں مجالس نبوی کا ایسا شوق ہوتی ہیں اور وہ ہر کہ مہ کو اسرار معارف الہیہ سے بہرہ مند نہیں کرتے کیونکہ ہر ایک میں اتنی اہمیت و استعداد کہاں۔ اگر اہل اللہ کو ایک بھی ہو نہار و لائق مرید مل گیا ہے تو اس کی خوشی کا کیا ٹھکانہ۔

حضرت خواجہ معین الدین حشمتیؓ رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی آکر حضرت بابا فرید گنجشکرؒ

کو خدمت میں مصروف دیکھا، تو نگاہ پڑتے ہی فرمایا۔ قطب الدین شہباز برکندا اور وہ اپنے
یعنی اسے قطب الدین شہباز کے کنڈ میں اسیہ کیا ہے۔ اسی طرح حضرت بابا فرید نے حضرت
سلطان المشائخ نظام الدین ادلبیا کو دیکھ کر فرمایا تھا: اے آتش فراقت دلبہا کباب کرد
ہر بزرگ کی سوانح حیات میں یہ چیزیں ملیں گی۔

کون کہہ سکتا ہے کہ تمام صحاہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض و فیضان خاص
سے یکساں مستفیض و مستفید ہوتے تھے۔ یقیناً ان میں بھی خواص کی جماعت الگ تھی جو
بڑا بردھانی ترقی کرتے چلے جا رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت امام زین العابدینؑ
سے منقول ہے کہ — ”سرچشمہ نبوت“ سے ہم نے بعض ایسے علوم بھی حاصل کئے ہیں کہ
ہم اگر انہیں تم پرظاہر کر دیں تو تم ہمیں یقیناً کافر و ملحد کہنے لگو۔ اس سے کیا واضح ہوتا
ہے، اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ اسرار و معارف وہ چیزیں جو نماہلوں کے سامنے
آشکارا کی جاتے۔ لیکن مصیبت یہ ہے آج کل عام طور سے عام مجالس میں صوفیا وہ باشیں
کرتے اور نکھتے ہیں جو انہیں ہرگز نہیں کہتی چاہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے اکثر
مرید تصوف کو کتاب و سنت سے علیحدہ چیز سمجھنے لگے ہیں۔ حال تو نہ رہا قال روگیلے ہے۔

آج کا تصوف کیا ہے۔ طوائف قبور، استمدادر بالزار، مسئلہ علم غیب، مسئلہ
سماع و غیرہ اور بس! جوان کے خلاف زبان کھولے وہ دشمن ہے تصوف کا مفہوم
اسی سے عبارت ہے۔ ہستوم و صلواۃ کی پابندی اور نہ رسوم غیر مشرد عہد سے اجتناب،
جسے دیکھو مرید بتا ہوا ہے۔ اگر مریدی کے کتاب و سنت کی پیروی و اتباع کا بھی لگے
پیدا نہ ہوا تو پھر اس سے فائدہ کیا۔ مرید ہونا نہ ہوتا بیکار ہے۔ بہت سے صوفی ہم نے
دیکھے ہیں جن کے سامنے اگر کتاب و سنت کا ذکر کیا جائے تو صاف کہہ دیں گے کہ یہ
ظاہر بینوں کی باتیں ہیں ہمیں ان سے تعلق نہیں۔ ہم نے خود و صوفیوں کو دیکھا ایک
کی مجلس اندر سجھا کا اکھاڑہ تھی اور دسرے صاحب بمحالت جذب انہیں بحال ت
ہوش چار انگل کی لٹگوٹی پاندھے نگ دھڑک لکڑ سلگائے بیٹھے رہتے تھے۔ ہم
نے اعتراض کیا کہ آپ تصوف کو بنیام کر رہے ہیں۔ فرمائے تھے کہ آپ اہل شرع
ہیں اور ہم اہل عشق، ہماز اہل اور زندگی۔ ہمیں بہت افسوس ہوا۔ ایسی ہی جھاتیں
دیکھ کر لوگ تصوف کا انعام کر بیٹھے اور ان نماہلوں نے اس نعمت اپنی کو
رسوا کر دیا۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے مکتوبات سخنیرہ فرمایا ہے کہ صوفیا کو مجالس عامہ میں کتاب و سنت کے سوا اور کوئی ذکر نہ ہے۔ ہمارا زمانہ، زمانہ نبوی سے بہت دور ہو گیا ہے۔ خبر و برکات کم ہو سے ہیں۔ لوگ روز بروز سنت کو ترک کرتے چلے جاتے ہیں۔ محدثات کی طرف زیادہ توجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجالس صوفیا سے بھی لوگ بہت کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔

شیخ کامل کی ضرورت

بعض اصحاب کا خیال ہے کہ تذکریہ نفس اور تصفیہ قلب کے لئے صرف امر و نواہی شریعت کی پابندی کافی ہے۔ شیخ کامل کی استمداد کی ضرورت نہیں۔ بیشک کتاب و سنت کی پیروی سے انسان اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کر سکتا ہے۔ لیکن فطرت انسانی کچھ الیٰ دا قع ہوئی ہے کہ جب تک اس کے سامنے کوئی نبوغ نہ ہو کوئی رہبری کرنے والا نہ ہو، انسان آگے نہیں بڑھتا، اس لئے خلاق کریم نے وقتاً فوقتاً ان بیمار کو میوثر کیا اور رسول کریمؐ نے علماء امت کا درجہ ان بیمار بی بسرا یہی اسرائیل کا سافر فرمایا۔ درست وہ محض قرآن ہی کو نازل فرماسکتا تھا۔ قرآن تو آج بھی ہم میں موجود ہے لیکن مسلمانوں کی وہ حالت اب کیوں نظر نہیں آتی جو خد رسلت میں تھی، اس لئے کہ تعلیم موجود ہے مگر معلم موجود نہیں۔

یہ کام مسلم روحا فی ہی کر سکا ہے کہ وہ انسانوں کو زہد والقا، اخلاص و عمل و جبر و توکل تسلیم درضا اور دروغ و اخلاق کا پیکر بنادے۔ عوام تو پھر عوام ہیں۔ جن علماء کو بھی کسی شیخ کامل کے سامنے زانوئے ادب طے کرنے کا موقع نہیں ملا اندازہ کرو آزماؤ کہ وہ آیات و احادیث میں تو پاکی کھال آتا تھے نظر آئیں گے مگر روحا نیت کے بہرہ حاصل نہ ہوئے کے باعث عجب و غرور، غصب و حرص، غرض و ریا اور خود پسندی و نفس پرستی کے بندھے بنے ہوں گے۔ خوب سمجھو یعنی احکام شریعت کی وہ پابندی جس کا اثر باطن پر ہے پوچھیں ایک رسم و مادت ہے۔ صاحب جامع الاصول نے بھی یہی لکھا ہے کہ نماز کو پڑھنور قلب اور کذا خشوع کا یہ سر آنا اور نفس کا تذکرہ ہونا ترہیت شیخ کے بغیر ممکن نہیں۔ برائی کو برائی سمجھنے سے کبھی برائی کا انسداد نہیں ہوا۔ شراب اور زنا کو کون اچھا کہے گا، لیکن ابھیں بڑھنے اور بڑا جانتے ہوئے بھی لاکھوں افراد ان معاصی

میں گرفتار ہیں۔

کیا چور چوری اور داکتی کو اچھا سمجھتے ہیں ؟ ہرگز نہیں، مگر بھر کرتے ہیں کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ محض علم کافی نہیں علم و عمل دونوں کی ضرورت ہے علم حاصل ہوتا ہے کتاب و سنت سے، اور عمل کرتے ہیں ابیا علیہم السلام اور ان کے بعد ورثاتے انبیاء ر۔ آپ ہزار کتابیں پڑھ ڈالتے، احادیث و فقہ کے دفتر چھان ڈالتے۔ بہت کم لوگوں کے دلوں پر اثر ہو گا متأثر بھی ہوں گے تو دیر سے، مگر انبیاء اولیاً المحسوسین انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔ ہمیں اعتراض ہے کہ قرآن کریم بہت موثر چیز ہے اور سلیمان القطرت افراد اس سے ضرور متاثر ہوتے ہیں، لیکن معلم سامنے ہو تو اس کی تاثیر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے، اسی بنا پر انوار قدسیہ میں حضرت امام شعرافیؒ نے شیخ کامل کے وجوب اتباع کو ثابت کیا ہے اور لکھا ہے کہ ازالہ امراض باطنی و نجاست داخلی کے لئے شیخ کامل کا اتباع ضروری ہے، خود بخود اصلاح بہت کم ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقدار جیلانی نے بھی غنیہ میں اس امر پر بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی سے روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح قائم کیا ہے کہ ایک فیض دیتا ہے اور دوسرا فیض حاصل کر لیتا ہے۔ انبیاء اور ان کے جانشین حواری و صحابہؓ کرام ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ علی ہذا القیاس تا قیام قیامت یہی سلسلہ جاری رہے گا اور شاذونا درہی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو تربیت غیر کے بغیر مقامات عالیہ تک پہنچا دے۔ دنیوی علوم ہی دیکھ لو قدم پر معلوموں کی ضرورتیں ہوتی ہیں، حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے کہ نشر و اشاعت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ تمام نصابوں اور پچاس برس تک امتحان کے پرچوں اور کتابوں کی شریحیں اور تراجم موجود ہیں، کوئی مسئلہ زیر احتفاظ نہ رہا۔ اس کے باوجود نبھی ہر جگہ پروفیسروں، ماسٹروں اور معلوموں کی فوجیں نظر آتی ہیں۔

جب ظواہر علوم کی یہ صورت ہے تو باطنی علوم کے لئے بدرجہ اولیٰ معلوموں کی ضرورت تسلیم کرنی چاہتے ہیں بھی شاذونا در طلباء ایسے نکل آتے ہیں جو معلوموں سے استفادہ کئے بغیر بھی کامیاب ہو جاتے ہیں، اور روحانیت میں بھی۔ درہ معلمین کی ضرورت ہر کام میں ہے۔ علامہ حافظ ابن حجرؓ جیسے زبردست محدث نے بھی شیخ کی ضرورت پر زور دیا ہے، جیسا کہ ہم پہلے کہیں اشارہ کر چکے ہیں۔ علامہ ابن جوزیؓ کے متعلق بھی ہم نگارش کر چکے ہیں کہ وہ حضور غوث پاک کے آگے جمک گئے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؓ حضرت ابو حمزہ

بندادی اور شیخ عبدالدین محدث حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی کے آگے سر نیاز جھکانے اور فیض حاصل کرنے پر مجبور ہوئے۔ علامہ ابن تیمیہ تو ان کے بعض رسائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ردِ حقیقت تصوف کے توقائل میں اور راجا بجا سید اطائف حضرت جنید بغدادی اور شیخ شبلیؒ کو بطل و جلت پیش کرتے ہیں۔ البته انہوں نے اکثر متصوفین کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، جیسے کہ علامہ ابن جوزیؒ نے استعمال کئے ہیں۔ مُؤخر الذَّکر توسیٰ سے آگے تھے مگر بالآخر انہیں جھکنا پڑا۔

حقیقت وہی ہے کہ ایک ولی اللہ اور اس کے کمال باطنی کا موزونہ کرنے کے لئے چشم بصیرت ہی نہیں چشم باطن کی بھی ضرورت ہے۔ حضرت علامہ ابن تیمیہ بڑے پائے کے عالم ہی مکروہ علم حقیقت و طریقت کو کیا سمجھتے تھے؟ ”قال“ ”حال“ کے اسرار کا دراک کیا کر سکتا ہے۔ یہی دیکھ لیجئے کہ وہ اپنی تحریروں میں کس قدر درشتی، طعن و تشنیع سے کام لے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ روایہ ہی کتاب دسنت کے خلاف ہے۔ اہل اللہ کبھی مخالفین کے خلاف یہ روایہ اختیار نہ کر سکے۔

حضرت امام ابو ترابؑ اہل طریقت کے بڑے مفتدا بالکل سچ فرماتے ہیں کہ منافقین عن الاولیا کا پہلان شان یہ ہے کہ وہ ان کے خلاف زبان طعن دراز کرنے لگتے ہیں۔ شیخ ابو سیحی زکریا انصاریؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی فقیہہ کو اہل طریقت کے احوال و اصلاحات کی خبرتہ ہو تو اسے برباد سمجھو۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ جس کو علم باطن سے کچھ میسر نہ ہو اس کے سورخات نہ کا اندر لیشہ ہے۔

ملفوظات حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھا تویؒ

ایک ذاکر نے عرض کیا کہ بعض اوقات قلب بالکل خالی معلوم ہوتا ہے، بہت کوشش کرتا ہو کہ قلب جاری ہو مگر کچھ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ کوشش میں مبالغہ کرنا غلطی ہے، ہر سری توجہ کافی ہے۔ دردنا کا وسش کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ طبیعت ہر بوجھہ ڈالنے سے پریشانی بڑھتی ہے اور کبھی مایوسی تک نوبت پہنچتی ہے کیونکہ ایسے امور بعینی کیفیات وغیرا پنے اختیار میں نہ ہوں ان کے پچھے پڑتے نے کا انجام اخیر میں تعطل ہوتا ہے، کیونکہ بالفرض اگر کامیابی نہ ہو فی تو شیطان دسو سے پیدا کرتا ہے اور رواہ سے لے راہ کر دیتا ہے۔ کہتا ہے کہ اتنی محنت

کی، اُتھی یادِ الٰہی آنحضرما را، مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا، پھر عبادت و ربانخت کرنے سے کیا فائدہ وغیرہ۔ سخت می گرد جہاں برمد مان سخت کوش یہ

قلب کا خالی رہنا قبض کہلاتا ہے اور قبض، بسط سے بھی ارفع ہے۔ اس لئے کہ اپنی حقیقت قبض سے ہی معلوم ہوتی ہے۔ اگر بسط قائم رہے تو بہت سے اخلاقِ رزیلہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ رزق ظاہر کی بابت ارشاد فرماتا ہے کہ وَلَوْبَسْطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادَةِ لَبَعْوَا فِي أَكَادُضٍ ہ یعنی اگر اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے بندوں پر فراخ فرمائیتے تو وہ شرارت کرتے۔ یہی حال رزق باطنی کا ہے۔ اگر حوال و کیفیاتِ دائمِ رہیں تو بہت سی باطنی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً کبر و عجب و طغیان وغیرہ۔ الغرض قبض میں صدِ اصلحتیں مضمراں ہیں جسے قلبِ خالی سمجھا جاتا ہے وہ خالی نہیں ہوتا بلکہ بھرا ہوا ہوتا ہے، لیکن جو چیز اس میں بھری ہوتی ہے وہ ایسی ہے جو بظاہر نظر نہیں آتی، لیکن بعض اوقات وہی ضروری ہوتی ہے۔ آپ دریکھتے ہیں کہ مشک میں کبھی پانی بھرتے ہیں اور کبھی ہوا بھرتے ہیں۔ ہوا اس لئے بھرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ تیرتے ہیں، اس لئے اس وقت مشک میں ہوا بھرنا ہی مناسب ہے۔ اگر اس وقت میں ذرا سا بھی سوراخ کر دیں تو ڈود بنے کا احتمال ہوتا ہے۔ اب یہ جانتا مری حقیقی کا کام ہے کہ کس وقت ہوا بھرنا مفید پڑے گا اور کس وقت پانی بھرنا۔ بہر حال خواہ بسط ہو خواہ قبض مری کا بہر حال میں شکر کرنا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم خالی ہیں۔ کام میں لگا رہے اور بہر حال سے اطلاع دیتا رہے، انشا اللہ کا میا بی یقینی ہے۔ اس راہ میں حریاں ہرگز ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

آپ ایک اور ملفوظ میں فرماتے ہیں کہ ایک چانگا می مولوی صاحب تھے، جن کی اصلاح کا مجھ سے تعلق تھا وہ ذاکرِ مشاغل تھے۔ ان کو ابتداء میں حالاتِ رفیعہ پیش آنے شروع ہو گئے۔ مولوی صاحب نے ان حالات کا وصروف پر اظہارِ شروع کر دیا جبکہ بتدیلوں کو ایسے حالات کا پتے فربی کے سوا کسی اور سے ذکر کرنا مضر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا انجام دعویٰ ہو جاتا ہے، اس لئے میں ان پر ناراض ہوا اور کہا کہ دیکھ لینا اب یہ تمہارے حالات باقی رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی وقت سب حالاتِ صلب ہو گئے۔

بات یہ ہے کہ بعض حالات و علوم بواسطہ حاصل ہوتے ہیں اور شخص ان کو بلا واسطہ اپناممال سمجھتا ہے اور اس کے وباں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آگے چل کر آپ ایک واعظ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں ایک واعظ صاحب وعظہ بیان کر رہے تھے اور ان

کی اس مجلس میں ایک بزرگ بھی داعظ اسن رہے تھے اور داعظ صاحب کی طرف متوجہ تھے۔ داعظ صاحب کے بیان میں بہت عمدہ عمدہ مضامین آرہے تھے۔ داعظ صاحب کے دل میں خیال آیا کہ آج تو میں کیسے عالی مضامین بیان کر رہا ہوں۔ داعظ کے دل میں یہ خیال آتے ہی ان بزرگ نے اپنی توجہ داعظ پر سے ہٹائی۔ ان کی توجہ ہٹتے ہی ان مضامین عالیہ کی آمد داعظ پر فوراً بند ہو گئی۔ انہوں نے بہت چاہا کہ کوئی عمدہ مضمون ذہن میں آئے، مگر کوئی مضمون ذہن میں نہ آیا۔ اس وجہ سے محققین نے لکھا ہے کہ طالب کو جو کچھ احوال پیش آئیں ان کو اپنے مرتب کی برکت سمجھے اپنائیں کمال نہ سمجھے، اور طالب کو تو اس زغم میں کیا گنجائش ہے، خود شیخ اور مرتب کو بھی اپنے علوم و کمالات کا دعویٰ جائز نہیں۔ بلکہ اس کو بھی چاہئے کہ جو کچھ اس کے قلب میں علوم و معارف القا ہوں اس کا سبب طالبین کو سمجھے۔ کیونکہ طالبین کی تربیت اس کے سپرد ہے، اس لئے ان کو نفع پہنچانے کے لئے اس کے قلب میں ان علوم کا القا ہو رہا ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ مرتب تربیت ترک کر دے تو پھر وہ فیضان جو اس کے قلب پر ہو رہا ہے، بند ہو جائے گا۔ آپ ایک اور مثال ارشاد فرماتے ہیں کہ جیسے ایک بچے دہ ماں کے دودھ پر پرورش پار رہا ہے۔ اگر بچے کو ماں کا دودھ نہ ملے تو اس کی زندگی مسئلکل ہے۔ اسی لئے تو اس کے ذمے ہے کہ ماں کا احسان مانے مگر ساتھ ہی اس کی ماں کا دودھ جو ہے دہ بھی بچے ہی کے سبب ہے اتر رہا ہے۔ اگر دہ بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر اس کا دودھ خشک ہو جائے گا۔ اس لئے بچے کو چاہئے کہ دہ اپنی حیات کو ماں کی برکت سمجھے اور ماں کو چاہئے کہ دہ اپنے دودھ کو اس بچے کے سبب سے سمجھے۔

ایک اور ملفوظہ میں آپ فرماتے ہیں کہ انسان کو کام لگانا چاہئے، اس بات کی ضرورت نہیں کہ نفع کا ہونا بھی اس کو معلوم ہو۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ بچہ کم سن ہے اور باپ اس کی طرف سے روپیہ بنیک میں جمع کر دے تو بچہ مالک ہو جائے گا مگر مالک ہونے کے لئے اس کا معلوم ہونا شرط نہیں۔ جب آمد فی تقیم ہونے لگے گی اس وقت معلوم ہو جائے گا اسی طرح اگر عمل کا نفع یہاں سمجھیں نہیں آیا تو وہاں آخرت میں سمجھے لوگے۔ یہاں تو کام میں لگے رہو نفع برابر واقع ہو رہا ہے، جسے تم وہاں دیکھو لوگے، اور تم یہاں کے نفع کو معلوم کرنا چاہئے ہو، کیا تم دنیا کے نفع کے لئے کام کر رہے ہے جو دنیا میں نفع کے طالب ہو۔ جہاں کے لئے کام کر رہے ہو وہاں اس کا نفع دیکھنا اشارة اللہ تعالیٰ خزانہ بھر پور طے گا۔

یہاں کے نفع کے طالب تو کفار ہوتے ہیں جن کو آخرت میں کچھ امید نہیں، ان کی مطلوبہ اور محبوبہ تو محض دنیا ہے، ان کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ اسی لئے کفار کی کوشش دنیا کے لئے ہے اور وہ آخرت کے لئے محض معطل، اور مومن اس کے برعکس ہیں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ ۵

انبیا در کار دنیا جبری اند کافران در کار عقیٰ جبری اند
یعنی انبیا علیہم السلام دنیا کے کاموں میں جبری ہوتے ہیں اور کافر لوگ آخرت کے کاموں میں جبری ہوتے ہیں۔ ۵

انبیا را کار عقیٰ اختیار کافران را کار دنیا اختیار
یعنی انبیا علیہم السلام آخرت کے کاموں میں اپنے کو مختار سمجھ کر ان کاموں کی کوشش فرماتے ہیں اور کافر لوگ دنیا کے کاموں کو اپنے اختیار میں سمجھ کر اس کوشش میں لگے رہتے ہیں، آن کی مرغوب آخرت ہے ان کی مرغوب دنیا ہے۔ اپنی اپنی مرغوبیت پر زور لگا رہے ہیں۔ لبس اپنے مقصود کے لئے کام کرتے رہو شرہ کونہ دیکھو ورنہ اگر ساختہ کے ساختہ یہ بھی دیکھو کہ پچھہ شرہ مرتب ہوا یا نہیں، تو لبس پھر ہو چکا کام۔ پھر تو وہ مثال ہو گی جیسے چکی پیسے والی ہر چکر گھانے کے بعد یہ دیکھا کرے کہ کس قدر آنا پس گیا۔ تو پھر پس چکا آٹا اور ہو چکا کام۔ کام کرنے والوں کی توشان ہی اور موقی ہے۔ ان کو توانا ہانہ کام ہی کرنا چاہئے۔ فرماتے ہیں۔ ۵

گرچہ رختہ نیست عالم را پدیدہ پھر یوسف دارے باید وردید
یعنی اگر چڑھاہر میں کوئی راستہ معلوم نہیں ہوتا، مگر یوسف علیہ السلام کی طرح بھاگنا چاہئے۔ یوسف علیہ السلام نے یہ نہیں دیکھا کہ دروازہ کھلا بھی ہے یا نہیں، پس اٹھ کر دوڑ پڑے، اپنا کام شروع کر دیا۔ لبس ارادے اور نیت کی برکت سے دروازے خود بخود کھل گئے اور آپ صاف باہر نکل آئے۔ تم بڑھو تو سہی برے بچھے جیسے بھی ہو خریداروں میں نام تو لکھا ہی جائے گا، اور وہاں نام کا خریدار بھی محروم نہیں رہتا۔ جب عزیز مهر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نیلام کرنے کا اعلان کیا تو جہاں لوگ زرو جواب سے خریدنے یوسف علیہ السلام کو چلے دہاں ایک صنیفہ بھی سوت کی ایک انسٹی لے کر حضرت یوسف کو خریدنے چلی۔ جب نیلام گاہ پر پہنچی تو لوگوں نے پوچھا بڑھیا تم کہاں جا رہی ہو مجمع زیادہ ہے۔ بڑھیا نے کہا لوگوں، میں بھی اس مجمع میں یوسف کو خریدنے آئی ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ

تمہارے پاس اتنی دولت ہے جو یوسفؑ کو خرید سکو۔ بڑھیا نے سوت کی انٹی دکھانی اور کہا کہ میں اس کے عوض یوسفؑ کو خریدنا چاہتی ہوں۔ لوگ ہنسنے اور کہا۔ بڑھیا تیری اس انٹی سے کیا ہو گا یہاں تو غریز مصر کا خزانہ بھی کم ہے۔ بڑھیا نے جواہا کہ خریداروں میں میرا بھی نام لکھا ہی جائے گا، یہ الگ بات ہے کہ میں یوسفؑ کو خرید سکوں یا نہیں۔

آپ بتائیے اس بڑھیا کے پاس کون ساز رو جواہر تھا، صرف نیت اور رادہ ہی تو تھا۔ بس تم بھی نیت اور رادے کے ساتھ کام میں لگے رہو، سوال و جواب کے چکر میں نہ پڑو۔ زیادہ تحقیق و تجسس کی ضرورت نہیں اتباع کی ضرورت ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے۔ ۵
کار کن کار بگذر از گفتار اندیں راہ کار باید کار

یعنی قبیل و قائل کو چھوڑ دو اس راستے میں عمل ہی مقصود ہے۔

اکثر بزرگوں کی حکماً نہیں سنی گئی ہیں کہ مرید کو کسی خلاف وضع حرکت پر اس کو نکال دیا کیا یا اس سے بولنا چھوڑ دیا، یا اور کوئی مناسب سزا دی۔ اس سے مراد اور مقصود صراحتی ہے ہوتی ہے، عداوت منشا نہیں ہوتی۔ حدیث سے اس عمل کا مستحسن ہونا ثابت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ اور دوسرے دو صحابیوں کو غزوۃ تبوک میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو ان تینوں صحابیوں سے کلام کرنے کو منع فرمادیا تھا۔

ادب مردہ مثل زندہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں اپنے جھرے میں (جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفن ہیں) پہ تکلف چلی جایا کرتی تھی۔ جب سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کئے گئے تو پھر وہاں بددن اس کے کمی سے کپڑے مجھ پر خوب لپٹے ہوں، یعنی بلا پردہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شرم کی وجہ سے کبھی نہیں گئی۔ احمد نے اس کو روایت کیا ہے۔
بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر مردہ کی قبر پر حاضر ہو کر اس کا اتنا ادب کرے جتنا حالت حیات میں کرتا تھا۔ لشرط عدم تجاوز عن البشرع مثلاً قبر سے اتنے فاصلے پر بیٹھے جتنے فاصلے پر حیات میں اس کے پاس بیٹھتا تھا۔

اس حدیث سے اثبات ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اگر حضرت عمرؓ کے پاس ان کی مالیت حیات میں کبھی ضرورت کے تحت تشریف لے جاتیں تو خوب پر دے میں پڑ کر

جاتیں۔ اسی طرز کی رعایت ان کی قبر پر جانے کے وقت بھی کی۔ یہ وجہ بھی اس طرح جانے کی اور یہ معنی ہیں حیا من عمر کے۔

دراز کتاب شریعت و طریقت مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھا زادی

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جب تک اس تھے طلب نہ کیا جائے اس وقت تک وہ بھی نہیں دیتا جب تم طلب کر دیجئی وہ بھی دیتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ بچے کو اس کا باپ پچاس قدم کے فاصلے پر کھڑا کر کے اس کی طرف ہاتھ پھیلانا سیکھا ہے چل نہیں سکتا مگر باپ کے ہاتھ پھیلانے پر وہ اس طرف آنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کوشش میں وہ گرنے لگتا ہے۔ باپ کو فوراً حرکت ہوتی ہے اور وہ لپک کر بچے کو گرنے سے بچا لیتا ہے اور اسے اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ جو فاصلہ بچہ ایک سال میں بھی طے نہ کرتا وہ باپ کی مدد سے منٹوں میں طے کر لیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ طلب شرط ہے، پھر کام تو سب اسی کے چاہنے سے ہوتا ہے۔ عدم طلب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ کیا ہم اس دعوے یا دلیل کو تمہارے گلے منڈھ دیں، اس پر ایک حکایت یاد آتی ہے:

حضرت مولانا نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کو الہام ہوا کہ فلاں شہر میں ایک رئیس ہیں ان کے ایک صاحبزادے ہیں۔ آپ وہاں جا کر اس لڑکے کی تربیت کرو۔ رئیس کا ایک لڑکا جنگلوں میں پڑا رہتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ شراب میں مد ہوش ہے، حالانکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ باپ اس کو بیوقوف پا گل سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ دیوانہ ہو گیا ہے۔

خیر، آپ اس شہر میں پہنچے جہاں وہ رئیس رہتا تھا۔ آپ اس رئیس کے پاس پہنچے۔ رئیس بہت تعظیم سے پیش آیا۔ حضرت مولانا نجم الدین کبریٰ نے رئیس سے فرمایا کہ اپنے بیٹوں کو بلا دے رئیس نے اپنے بیٹوں کو بلا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ سب آگئے کوئی رہا تو نہیں ہے۔ رئیس نے کہا کہ حضور میرا ایک بیٹا رہ گیا ہے جو دیوانہ پا گل ہے وہ حضور کے سامنے پیش کرنے کے لائق نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اسی کی ضرورت ہے۔ لہذا اس کو بھی بلا دیا گیا۔ جب وہ آیا تو اس کا عجب انداز تھا، کہ پڑے کچھڑی میں لت پت پال پریشان عالم دیوانگی۔ لڑکے کی نظر جب حضرت نجم الدین کبریٰ پر پڑی تو اس نے یہ شعر پڑھا۔

آنکھ خاک دامہ نظر کیمیا کند
آیا بود کہ کوشہ چشمے بجا کند

حضرت نے فرمایا کہ بخوردار، بتونظر کر دم۔

اس کے بعد تو بس لڑکے کی حالت ہی دگر کھوں ہو گئی۔ جبکہ اہل اللہ کی نظر میں یہ خاصیت ہے کہ وہ حالت کو بدال دیں تو حق تعالیٰ کی نظر اور توجہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر خاصیت اور تصرف ہو گا، وہ تو قادر مطلق ہے۔

مجھے اس مقام پر ایک اندیشہ اور ہوتا ہے اس لئے درمیان میں اس کا جواب دے دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس کوئی ولی اللہ میں جائے گا اور میرا ایک ہی نظر میں کام بنادے گا، ہم کو ہاتھ پیر ہلانے کی بھی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اس لئے وہ بے فکر اور کسی ایسے شخص کے انتظار میں ہوں، تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ بیشک نظر میں یہ اثر تو ضرور ہے لیکن پہلے اس نظر کو سہارنے کی استعداد بھی تو ہوئی چاہئے، اور استعداد پیدا کرنے کے لئے مجاہدہ و ریاضت شرط ہے۔ مجاہدہ اور ریاضت کی مثال وضو کی سی ہے۔ صرف وضو ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ وضو کے بعد ہی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اگر وضو نہیں کیا اور ایسے ہی نماز پڑھ لی وہ نماز نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر کسی کو پہلے ہی سے وضو ہو، مثلًا غسل کیا ہو یا تالاب میں غوطہ لگایا ہو تو پھر وضو کی ضرورت نہ ہو گی۔ اسی طرح نہ تصرف مجاہدہ ہی کافی اور نہ ہی مجاہدہ سے استغننا۔

بہر حال مجاہدہ شرط ہے، آگے مقصود کا ترتیب، وہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ طالب کا تو یہ کام ہونا چاہئے کہ وہ طلب میں لگا رہے، ملنے نہ ملنے کا انجام مطلوب پر چھوڑے چونکہ وہ مطلوب کل ہے، اس نے فرمایا ہے کہ **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَّنَّهُمْ سَبِيلًا** یعنی جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم ضرور ان کو ہدایت کرتے ہیں۔ مجاہدے کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے جسم کو زد و کوب کرے گھونسے مارے بلکہ مجاہدے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس سرکش کے خلاف کرے، اور مجاہدہ محض سبب عادی کے درجہ میں ہے، در نہ "کاریفضل است" باقی بہانہ ملتا تو ہے سختی کے دینے سے، لیکن مانگنا اور جھوٹی کا ہونا بھی ضروری ہے۔ مالدار تو جبھی ہو گا جب سرکار گتیاں جھوٹی میں بھردیں۔ جب جھوٹی ہی نہ ہو گی تو وہ بھریں گے کس میں، اس لئے جھوٹی کا ہونا ضروری ہے۔

پس استعداد مثلاً جھوٹی کے ہے۔ حافظ شیرازی میں استعداد پہلے سے موجود سختی چاپنے کے چبڑی میں جنگلوں میں مارے مارے پھر ہے سختی کہ دفعتاً حمت حق

کو جنبش ہوئی اور حق تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل فرمایا تم بھی اگر ایسی استعداد پیدا کر لو تو بیشک ایک نظر ہی کافی ہوگی۔ جب پیاس لگے گی تو پانی مل ہی جائے گا، پہلے پیاس تو لگا لو۔ آج کل حالت یہ ہے کہ کریں گے تو کچھ نہیں بے فکر بیٹھے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ کوئی آکر ہمیں ولی بنا دے۔ بہر حال اولیام اللہ کی نظر اور توجہ بعد استعداد کے کام دیتی ہے اور بے توجہ شیخ کے کچھ نہیں ہوتا۔

تو یہ کے سلسلے میں چند صادر می ہدایات

قلب کیوں کر منور ہو سکتا ہے جبکہ اس میں اغیار موجودات کی صورتیں منقش ہوں وہ خداۓ تعالیٰ کی طرف کیسے سیر کر سکتا ہے جبکہ وہ شہوت نقیابیہ کی قید میں مقید ہو، وہ خداۓ تعالیٰ کی بارگاہ میں کیسے داخل ہونے کی طبع کر سکتا ہے جبکہ وہ اپنی غفلتوں کی ناپاکی سے بھی پاک نہیں ہوا۔ وہ دقائق اسرار کے سمجھنے کی کیوں کرتے تو قرکھ سکتا ہے جبکہ وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز نہیں آیا۔

(ف) جبکہ دل کے آئینے میں دنیا اور دنیا کی چیزوں مال و دولت، آبرو، اولاد، جائداد بیہودہ خیالات، آرزوئیں اور باطل تمناً میں گھسی ہوئی ہوں، تو ایسا دل کیسے روشن ہو سکتا ہے۔ جب ان سب چیزوں کی تاریکی دل سے دور ہو اس وقت ہی دل میں نور کا گزر ہو سکتا ہے، اور جو دل خواہش نفسانی کی زنجیر میں مقید ہو کہ روز و شب اسی خیال میں گذرتا ہو کہ یہ چیز کھاؤں، فلاں لباس زیب تن کروں، فلاں عورت سے نکاح کروں، فلاں فلاں چیزوں خریدوں، ایسے دل والا خدا تعالیٰ کی طرف کیسے چل سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاؤں میں توان خواہشوں کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، اور جس کے پاؤں میں بیڑیاں ہوں وہ کیسے چل سکتا ہے، اور جو دل غفلت کی ناپاکی سے پاک نہیں ہوا بلکہ ابھی کا ہر وقت غفلت میں گذرتا ہے اور آخرت کو بھولا ہوا ہے، ایسا دل بارگاہ عالمی میں کیسے داخل ہو سکتا ہے اور کیسے اس پاک بارگاہ عالمی میں مقبول ہو سکتا ہے۔ جیسے ناپاک آدمی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا اسی طرح ناپاک دل جو کہ اپنی غفلتوں کی ناپاکی سے ابھی پاک نہیں ہوا وہ بھی خداوند عالم کی بارگاہ میں داخل نہیں ہو سکتا یعنی سقیوں بارگاہ نہیں ہو سکتا، اور جو دل ابھی تک نازیبا حرکتوں، لغویات اور باطل تمناؤں سے باز نہیں آپا اور خرافات میں مشغول ہے وہ کیسے خداۓ تعالیٰ کے اسرار

در بار سکیاں سمجھنے کی طمع کر سکتا ہے، جب وہ ان لغویات سے تائب ہو جائے اس وقت اس جس اسرار الہیہ کے سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو سکتی ہے۔

اگر اس کے عدل و انصاف سے مذکور ہو گئی تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں اور اگر اس کے فضل کا سامنا ہوا تو کوئی گناہ کبیرہ نہیں۔ خداوند عالم کی صفتِ عدل و انصاف کا اگر عالم میں ظہور ہو اور ہمارے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ ہو تو ادنیٰ سے ادنیٰ گناہ بھی صغیرہ نہیں، بلکہ سب کا سب گناہ کبیرہ اور قابل گرفت ہو، اس لئے کہ ایسے بڑے جلیل القدر جس کی جلالت و عظمت کی کوئی انتہا نہ ہو اور ایسے بڑے محسن کی جس کے احسانات بے شمار ہیں، ادنیٰ سے ادنیٰ نافرمانی بھی اسی درجہ سخت ہے کہ ہلاک کر دینے کے لئے کافی ہے، اور اگر اس کے فضل و کرم کی صفت ظاہراً اور ہمارے ساتھ فضل کا معاملہ ہو تو بڑے سے بڑا گناہ بھی ہماراً کبیرہ نہیں بلکہ سب صفات بلکہ محض لاشیٰ ہیں اور معاف ہیں جب بتجھ سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو وہ بتجھ کو تیرے پر دردگار کے ساتھ حصول استقامت سے مایوس نہ کر دے، کیونکہ شاید یہ آخری گناہ ہو جو بتجھ پر مقصد ہوا ہے۔

(ف) جب کوئی گناہ بشریت کی راہ سے تم سے ہو جائے تو اس گناہ کی وجہ سے دین پر بختیگی اور قائم رہنے کی صفت اور اپنے رب کے ساتھ تعلق و امید کی خصلت میں ذرہ برابر فرق نہ آنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ اس گناہ کے صادر ہونے سے تم یہ سمجھنے لگو کہ لیس جی ہم کو دین پر بختیگی ہونا مشکل ہے، اور یہ سمجھ کر اور گناہ ہوں پر ولیر ہو جاؤ، حالانکہ تمہارا یہ گمان بالکل غلط ہے اس لئے کہ گناہ از راہ بشریت صادر ہونا دین پر بختیگی کے خلاف نہیں۔ باں گناہ پر اصرار کرنے اور توبہ نہ کرنے اور دوسرا مرتباً اس کے کرنے کا قصد کرنا بختیگی کے خلاف ہے، اور ممکن ہے کہ یہ گناہ جو تم سے صادر ہوا ہے اور جس کو تم غلطی سے استقلامت کے خلاف سمجھ رہے ہو، آخری گناہ ہو، جو تمہاری تقدیر میں لکھا سکتا، اور اس کے بعد مالک حقیقی کی ایسی رحمت متوجہ ہو کہ پھر کوئی گناہ ہی نہ ہو۔ طاعات و عبادات کے فوت ہو جائے پرغم نہ ہونا اور معااصی و شبیثات کے واقع ہونے پر پشیمانی کا نہ ہونا موت قلب کی علامت ہے۔

(ف) جانتا چاہئے کہ جیسے بدن کی زندگی کا دار و مدار غذا پر ہے اسی طرح دل کی زندگی کا دار و مدار ایمان اور اعمال صالحہ سے ہے جس طرح بدن کو غذانہ ملے تو وہ

مردہ ہو جاتا ہے، اسی طرح اگر دل میں ایمان نہ ہو تو دل بھی مردہ ہو جاتا ہے۔ پس جس شخص کو طاعات و عبادات مثلاً نماز، روزہ، جماعت وغیرہ کے فوت ہو جانے پر غم و افسوس نہ ہوا درگناہ سرزد ہو جانے پر ندامت نہ ہو، تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ اس کا دل مردہ ہو چکا ہے اور اس میں ایمان کے آثار نہیں ہیں، اور اگر طاعات و عبادات کر کے دل خوش ہوا درگناہ ہو جانے پر غمگین ہوا درنادم ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ دل ابھی زندہ ہے۔ (امال الشیم، صفحہ ۱۷۳)

دعا

اللَّهُ تَعَالَى أَقْرَآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے؛ أَجِيبْ ذَعْوَةَ الدَّاعِ
إِذَا دَعَانَ فَلَيْسَ بِجِيْبُوْالِيْهِ۔ یعنی میں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی التجا بشر طیکہ وہ
وہ بھی ہماری اطاعت کرے، ہمارے احکام رغبت سے بجالائے۔ میں جو کہوں وہ تم
کرو، تم جو کہو گے وہ میں کروں گا۔ اس مختصر کلام مجرّنظام نے ایک ہی لفظ میں ساری
شریعت و طریقت کا احاطہ کر لیا، اور دعا کے قبول ہونے کا ضابطہ بیان فرمادیا۔ اس
گھر کے کھولنے کی ہر شخص کو ضرورت رہتی۔ ہے اس لئے ہم قبولیت دعا کے اسباب
میں اس کے آداب کے نہایت مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

مسلمانو، تمہاری دعا قبول ہونے کے لئے چند سبب ہیں۔ پہلا سبب اعمال
صالح بخانا، یہ اجابت دعا کے لئے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا دستیلہ ہے، حضرت
ابراهیم ابن ادہمؓ شاہ بیخ نے اس کو نہایت واضح طریقے سے بتایا ہی نہیں بلکہ کر کے دکھایا
ہے، حضرت حذیفہ مرعشیؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابراهیم ابن ادہمؓ کے
ساتھ تھا، کبھی روز سے کھانا نہیں کھایا تھا، فاقہ کی تکلیف سے چہرہ زرد اور ہاتھ پیر
سرد ہو گئے تھے۔ جب ہم کوفہ کے ایک دیران مکان میں پہنچے تو آپ نے ارشاد
فرمایا کہ حذیفہ تمہارے چہرے پر بھوک کا اثر معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں
حضرت۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کاغذ اور قلم دوں بوجب ارشاد اس عاجز
نے کاغذ و قلم دوں پیش کر دیا۔ آپ نے تحریر فرمایا، بسم اللہ الرحمن الرحيم۔ اے
باری تعالیٰ! کہر حال میں اور ہر شے کا تو ہی مقصود بالذات ہے۔ ہر قسم کے کمعنے کا
تیری طرف اشارہ ہے، یعنی ظاہر و باطن میں ہر شے کا مطلوب و مقصود تو ہی تو

ہے۔ میں تیری حمد کرتا ہوں تھے اسکر کرتا ہوں اور تیرا ذکر کرتا ہوں۔ میں بھوکا بھی ہوں اور ننگا بھی اور بے آرام بھی۔ یہ چھ باتیں ہیں ان میں پہلی تین باتوں کا جبالاً میرا ذمہ ہے اور پھلی تین باتوں کا فرع کرنا تو اپنے ذمے ہے۔ پھر آپ نے یہ پڑھ مجھے دیے کہ فرمایا کہ جاؤ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کا خیال اپنے دل میں نہ لانا اور جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے اسے یہ رقعتہ دے دینا۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں وہ رقعتہ دے کر چلا تو سب سے پہلے مجھے ایک چمگ سوار شخص ملا۔ میں نے اس کو وہ پرچہ دے دیا۔ اس شخص نے وہ پرچہ پڑھا اور پھر زار و قطاب پر دنے لگا اور مجھ سے کہا کہ یہ لکھنے والا کہاں ہے۔ میں نے اسے تمام پتہ بتا دیا۔ اس شخص نے اسی وقت چھ سوا اشرفیاں مجھے دیں اور کہا کہ یہ اشرفیاں انہیں دے دینا۔ میں یہ اشرفیاں لے کر حضرت ابو ہیم ابن ادہمؓ کی خدمت میں پہنچا اور سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص نصرافی (عیسائی) ہے اور عنقریب وہ یہاں آنے والا ہے، تھوڑی دیر کے بعد وہ شخص آیا اور حضرت کے قدموں پر گر گیا اور کہا کہ حضرت مجھے مشرف پا اسلام کر لیجئے۔ آپ نے اسے مسلمان کر لیا۔ سبحان اللہ دیکھا خاصان خدا کی دعائیوں قبول ہوتی ہے۔

دوسرے سبب دعا کی قبولیت کا توبہ واستغفار ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں بہت سی جگہ ارشاد ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے: إِسْتَغْفِرُ وَ رَبَّكُمْ أَنَّكُمْ كَانَ عَفَّا رَأَيْتُ سِيلَ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَائِيْ أَوْ يَمْدِدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَ يَنْهِيْ وَ يَجْعَلَ لَكُمْ جَثَتٌ وَ يَجْعَلُ لَكُمْ أَنْهَرًا مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَ قَارًا وَ قَدْ خَلَقْنَاكُمْ أَطْوَارًا لَوْكُو، توبہ استغفار کر واللہ تعالیٰ سے، وہ بخششے والا تمہارے لئے مینہ برسائے گا، اولاد اور مال سے تمہاری مدد کرے گا، نہریں اور باغ تھیں عطا کرے گا۔ پھر تمہیں کیا ہوا جو تم نے اپنے رب کا وقار دگرا دیا، جس نے تمہیں رنگ برنگ کا پیدا کیا۔

توبہ استغفار میں بھی مرادوں کے حاصل ہونے کا وعدہ فرمایا گیا ہے، چنانچہ شخص حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے کسی نے پانی نہ برسنے کی شکایت کی اور کسی نے اولاد نہ ہونے کی اور کسی نے دوسروی حاجتوں کے پورا نہ ہونے کی شکایت کی۔ آپ نے سب کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "توبہ استغفار کرو" ایک شخص نے پوچھا کہ یا حضرت، اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے سب کو

استغفار کے لئے ہی فرمایا۔ آپ نے مندرجہ بالا آیوں کو تلاوت فرمائاد فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اسی کوارشا د فرمایا ہے۔

ترمذی شریف میں آقائے ناجدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ میری امت کے لئے دوامان ہیں، ایک میرا وجد اور دوسرا ہے استغفار جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں گا تو میں اپنی امت کے لئے ہمیشہ استغفار حچوڑ جاؤں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے ہمیشہ کے لئے توہہ استغفار کرنالازم کر لیا، خدا تعالیٰ اسے ہر طرح کی مصیبت اور قلت و نیگی معاش سے بچائے گا اور قیامت کے دن اپنے دامنِ رحمت میں چھپائے گا۔

مناجات حضرت سیدنا پیران پیر شیخ عبدال قادر جیلانیؒ

اے اللہ! ہم تیرے وصال کے بعد روک دیئے جانے سے، اور تیرے مقرب بن کر نکال دیئے جانے سے، اور تیرے مقبول ہونے کے بعد مردود ہونے سے پناہ مانگتے ہیں۔ اے اللہ! تو ہمیں اپنی اطاعت و عبادت کرنے والوں میں سے کر دے اور ہمیں توفیق دے کہ تیرا شکر اور تیری حمد کرتے رہیں۔ اے اللہ! تو ہمیں اس درجہ کا ایمان دے جو تیری حضوری میں پیش ہونے کے لائق ہوا اور اس درجہ کا یقین عطا فرمائیں کی قوت سے ہم قیامت کے دن تیرے رو برو ٹھہر سکیں، اور ہمیں ایسی عصمت نصیب کر جو ہمیں گناہ اور معصیت کے گرداب سے بجات ہے۔ ہم پر اپنی رحمت نازل کرتا کہ ہم ہمیشہ عیوب کی گندگیوں سے پاک صاف رہیں۔ ہمیں وہ علم سکھا جس سے ہم تیرے احکامات کو سمجھیں اور وہ فہم عطا فرمائیں سے ہم تیری درگاہ میں دعا کرزاں سکیں۔ اے اللہ، تو ہمیں دنیا و آخرت میں اہل اللہ سے کردا وہ ہمارے دلوں میں اپنی معرفت بھر دے۔ اے اللہ! ہماری عقل کی آنکھوں میں اپنی ہدایت کا سرمه لگا اور افکار کے قدم اور شبہات کے موقعوں پر چھپنے سے اور ہماری نفیات کے پرندوں کو خواہشات کے آشیانوں میں جانے سے روک دے۔ ہماری شہوات ہے ہمیں نکال کر نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے میں ہماری مدد کر۔ ہمارے گناہوں کے نقوش کو ہمارے اعمال نامے سے نیکیوں کے ساتھ مٹا دے۔ اے اللہ! جبکہ ہمارے افعال مرحونہ ظلم کی قبروں میں مدفن ہونے کے قریب ہوں اور تمام اہل عود و سخا ہم سے منہ موڑنے لگیں اور ہماری امیدیں ان سے منقطع ہو جائیں تو اس وقت قیامت میں ہمارا ولی اور مددگار بن، اور تا چیز بندے کو جو کچھ وہ کر رہا ہے، اس کا اجر دے اور لغزشوں سے اسے محفوظ رکھ، اور کل حاضرین کو نیک بات اور نیک کام کی توفیق دے اور اس کی زبان

سے وہ بات نکلا جس سے سامعین کو لفظ ہوا اور جس کے سننے سے آنسو رواں ہو جائیں اور سخت دل بھی ترم ہو جائیں۔ خداوند! اے اور تمام حاضرین اور کل مسلمانوں کو اپنی رحمت سے بخش دے۔ اے اللہ! تو ہمیں ان لوگوں میں سے کہ جو تیری اطاعت و فرمانبرداری سے متینہ اور دنیا دنایہ سے بے نیاز ہو کر میدانِ حشر کو یاد رکھتے ہیں اور سلف صالحین کے قدم پر قدم پڑتے ہیں۔ اے اللہ! بے شک تو ایسا کر سکتا ہے، اور ایسا کرنے پر تجھ کو ہر وقت قدرت حاصل ہے۔ آمین۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ
بِرَحْمَةِ لِهٗ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۝

خزل تصوف

اے طالبِ مولیٰ دل کو جگا، دل ہی توجگانا مشکل ہے
 بیدار اگر ہو جائے یہ دل، پھر خاموش بنا نا مشکل ہے
 پروانہ ہوشیع پیر مغاں ہو دل میں گدازو سوز و نہاں ہو
 اکھٹتے ہوں ثرا رے آہ و فغاں، وہ آگ بجھانا مشکل ہے
 محبوکے درسے بوئے محبت یادِ صبا جب لاتی ہے
 بینا بنی دل جب جاگ اٹھے پھرتا بیس لانا مشکل ہے
 صیقل ہوا اگر یہ شیشہ دل دیدار کا مقصد ہو حاصل
 وہ اب تہ نوازش ہونا زل گفتار میں آنا مشکل ہے
 بے بحر فنا میں ان کی بقا، سب کون و مکان کو دل مٹا
 تو دیکھو ذرا اگر دن کو جھکا، پھر ہوش میں آنا مشکل ہے
 تو بزم میں ان کی بیٹھو ذرا، اور حشم حقیقت کھول ذرا
 وہ جام اگر دیں تجھے کو پلا، پھر جوش مٹانا مشکل ہے
 عرفان و یقین کے گلشن میں جو عشق کی متزل چلتے ہیں
 رفتار کا ان کی اے عارف اندازہ لگانا مشکل ہے

ہمارے حلقوں میتے ذکر

مولے دانوں کی تسبیح

زیر نظر مضمون کی حیثیت مغض ایک گشتوں مرا سے کی سی ہے، جس کا مقصد اس کے سوا اور پچھے نہیں ہے کہ وہ گرامی قدر متولین جن کی نسبت صحیحہ قطب ربانی شیخ المشائخ حضرت مولانا مولوی خواجہ محمد فضل علی قریشی ہاشمی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، اپنی اس روشن پر خلوص کے ساتھ غور فرمائیں کہ کیا ہم نے ان کی نیابت کا صحیح حق ادا کیا ہے یا کر رہے ہیں۔

مشابہہ اس امر کا شاہد ہے کہ ان کی نیابت کا صحیح حق ادا کرنے میں ہم نے بخل سے کام لیا ہے حضرت قبلہ شیخ علیہ الرحمۃ جس راہ پر گامزن تھے اس راہ سے ہٹ کر ہم نے دوسروں کا راستہ اختیار کر لیا ہے بغیر شرعی باتیں پیدا کر رہے حضرت قبلہ شیخ المذاخن علیہ الرحمۃ نے اپنی پوری زندگی فقر و مسکن ت میں گزاری، اس کے برعکس ہم دنیا کے مال و جاہ کے لئے تگ و تاز میں مصروف ہیں حضرت قبلہ شیخ علیہ الرحمۃ عطاۓ اجازت سلسلہ عالیہ میں علم اسلوک کی تکمیل کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری کو مد نظر رکھتے تھے۔ اس کے برعکس ہم دنیاوی مفادات اور تعلقات کی بنا پر خلافتیں باتھ رہے ہیں، اور اس فاقی زندگی کو ڈرے طمع طلاق اور بھاٹھ بھاٹھ سے گزارنے پر مصروف ہیں جس کے باعث ان کے نقش قدم پر چلنے کی سعادت سے محروم ہو رہے ہیں، اور اپنی اپنی باتوں کی وجہ سے اپنی اور سنلے کی ساتھ خراب کر رہے ہیں۔ طوالت کا خوف دامن گیر ہے اس لئے نہایت اختصار کے ساتھ اصل معاملہ کی جانب لوٹتا ہوں۔

اس امر سے ہر کوئی بخوبی واقف ہے کہ چیس مولے دانوں کی تسبیح حضرت قطب بانی علیہ الرحمۃ کی اپنی ایجاد ہے اور حلقة ذکر میں آپ اسے کھٹکھٹاتے تھے اور آپ کا یہ معمول زندگی بھر رہا، اور مردین کو اس کے کھٹکھٹاتے کی پوری پوری تاکید بھی فرماتے تھے کہ یہ میر اسرار ہے۔ (معنی سات) حضرت قبلہ شیخ المشائخ علیہ الرحمۃ کے جواب فرماجانے کے بعد آپ کے بیشتر خلفاء رئے مولے دانوں کی تسبیح کا کھٹکھٹانا موقوف کر دیا اور اس کی جگہ تالیاں اور خلاف مشرع عمل شروع کر دیے یہ حقیقت ہے کہ جو مقدر بزرگ آج مولے دانوں کی تسبیح کا کھٹکھٹانا ترک کر چکے ہیں، اپنے مشائخ کی زندگی میں زندگی میں ان کی روشن اس کے برعکس بھتی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے۔ اس کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ حضرت قبلہ شیخ کی راہ صحیح نہ بھتی اور ان کی صحیح ہے۔ اگر ان کا سوچنا ایسا ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر ایسا وہ حضرت قبلہ شیخ علیہ الرحمۃ کی زندگی میں سوچتے یا کرتے تو بہتر تھا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا کہ آج جو شکوک و شبہات پیدا ہو گئے ہیں وہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی جانب سے دور کر دیے جاتے یا ان کا ازالہ ہو جاتا۔

جہاں تک مولے دانوں کی تسبیح کی ضرورت محسوس نہ کرنے کا سوال ہے، اس کے متعلق عرض ہے کہ فی زمانہ دین سے دوری فحاشی کی کثرت، عام تمباکونوشی اور مغرب زدگی کی وجہ نے انسانی قلوب کو زنگ آسود کر دیا ہے۔ دل کے زنگ کا بہترین صیقل ذکر الہی ہے، اور اس صیقل کا بہترین معاون مولے دانوں کی تسبیح ہے۔ ذکر الہی میں مشغول قلب جب اس کی کھٹکھٹ قبول کرتا ہے تو اس میں رقت پیدا ہو جاتی ہے۔

حضرت قبلہ شیخ علیہ الرحمۃ کی اس پرکشش ایجاد کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا کہ ہر زنگ آسود قلب ذکر الہی میں منہماں ہو جائے اور مولے دانوں کی کھٹکھٹ اس میں رقت پیدا کرنے کا ایک آسان یہ ضرور فریعہ بن جائے۔

ان مقدار خلفاء اور قابل تعظیم ہستیوں سے جن کے دست نازک آج مولے دانوں کی تسبیح کھٹکھٹاتے کے متحمل نہیں ہیں، یہ یہ مخدان بصدق بجز و انکسار با ادب ملتمنس ہے کہ وہ اپنی روشن پر نظر ثانی فرمائ کر زیادہ سے زیادہ بندگان خدا کے قلوب کو نور معرفت سے منور فرمائیں اسی میں ہمارا اپنا بھلا ہے اور اسی میں حضرت قبلہ شیخ علیہ الرحمۃ کی روح کو خوش کرنے کا سامان موجود ہے۔

marfat.com